www.KitaboSunnat.com

تحریر: ابو مجاہد عبدالعزیز القاری
ترجمہ: حافظ حسن مدنی

سبعہ أحرف سے کیا مُراد ہے؟

> زیر نظر تحریر میں فاضل مضمون نگار نے بڑے دیانتدارانہ طریقے سے "سبعہ احرف" سے مراد کے تعین کی کوشش کی ہے۔ اور بظاہر اس دقیق بحث کو اپنے آسان طرزِ بیان سے انہوں نے بڑی حد تک سہل کر دیا ہے۔ اسلوب نگارش بڑا ہی منطقی اور اصولی ہے۔ اس تفصیلی مضمون کی ایک قسط اس سے قبل پچھلے شمارے میں بھی شائع ہو چکی ہے جو اپنے مقام پر ایک مستقل حیثیت کی حامل ہونے کے ساتھ ساتھ اس بحث سے بھی گہرا تعلق رکھتی ہے۔ کیونکہ انہی احادیث کی روشنی میں (جو کہ تفصیل سے گزشتہ شمارے میں ذکر ہوئیں) سبعہ احرف کی مراد کا تعین کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس مضمون میں بھی قارئین کو جابجا گزشتہ قسط کے حوالے نظر آئیں گے۔ مکمل استفادے کے خواہشمند حضرات اس قسط کو بھی سامنے رکھیں۔

"سبعہ احرف" کا مفہوم کیا ہے اِس کے بارے میں علماء کے مابین بہت اختلاف ہے حتیٰ کہ علامہ سیوطی نے "الاتقان" میں علماء کے ۴۰ اقوال ذکر کئے ہیں(۱)، لیکن اقوال کی یہ کثرت قاری کے لئے باعث خوف اور وجۂ مشقت نہیں ہے۔ کیونکہ اکثر اقوال ایسے ہیں جو دلیل و نظر کی کسوٹی پر پورے نہیں اترتے۔ بغور جائزہ لینے پر ایسے اقوال بہت کم ہیں جن میں صحیح ہونے کی گنجائش ہے۔ ان میں سے چھ اقوال کو ہم یہاں ذکر کرتے ہیں:

پہلا قول:

ابن سعدان نحوی(۲) کے بقول حدیث سبعہ احرف کا شمار ایسی احادیث میں ہوتا ہے جو اپنے مفہوم و مدعا میں صریح نہیں بلکہ متشابہ ہیں(۳) یعنی ان کا مقصد و مراد مخفی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ

---

(۱) الا تقان: (ص ۱۳۱)

(۲) محمد بن سعدان الضریر الکوفی النحوی المقریء ابو جعفر ت سنة ۲۳۱ (بغیة الوعاة ۱/۱۱۱)

(۳) ابوالفضل عیاض بن موسی الیحصبی، ت سنة ۵۴۴ (الدیباج ۲/۴۶)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"الحرف" ایسا لفظ ہے جو متعدد معانی پر بولا جاتا ہے جبکہ احادیث میں کسی ایک کا تعین نہیں کیا گیا' لہٰذا اس کے مفہوم کا تعین مشکل ہے۔

دوسرا قول:

سبعہ احرف میں سبعہ کے لفظ سے حقیقتاً عدد مراد نہیں بلکہ یہ لفظ کثرت کے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے اور عربی زبان میں یہ عام طریقہ ہے کہ "سبعہ" کا لفظ بول کر اکائیوں میں کسی شے کا کثیر التعداد ہونا مراد لیا جاتا ہے۔ جس طرح "سبعین" کا لفظ بول کر دہائیوں میں کثرت مراد ہوتی ہے۔ لہٰذا اس حدیث کا مدعا یہ ہے کہ صحابہ کو کھلی رخصت دی گئی ہے کہ جس لغت کے مطابق چاہیں قرآن کی تلاوت کرلیں۔ یہ قول قاضی عیاض کی طرف منسوب ہے اور اس کو مان لینے سے اس نظریہ کی بھی تائید ہو جاتی ہے کہ قرآن کی بالمعنی قراءت مشروع ہے۔

تیسرا قول:

سبعہ احرف سے احکام و معانی کی سات اصناف مراد ہیں جو یہ ہیں:

حلال و حرام' امر' توبیخ' محکم' متشابہ اور امثال

چوتھا قول:

سبعہ احرف سے اہل عرب کی فصیح لغات میں سے ایسی سات لغات مراد ہیں جن پر قرآن نازل ہوا ہے۔ یہ سات لغات آپس میں بھی مختلف ہیں جن میں سے بعض لغات دوسری لغات کی بہ نسبت قرآن میں زیادہ بھی استعمال ہوئی ہیں۔ یہ قول ابو عبید قاسم بن سلام کا ہے اور امام بیہقی نے بھی شعب الایمان میں اس کی تائید کی ہے۔

پانچواں قول:

یہ سات لغات ایک کلمہ میں اور ایک ہی حرف میں بایں صورت ہیں کہ الفاظ میں تبدیلی کے باوجود معنی میں تبدیلی نہ آنے پائے۔ جس طرح کوئی شخص "ادھر آؤ" کے مفہوم کے لئے "هَلُمَّ" کی جگہ "تَعَالَ' اِلَیَّ' قَصْدِیْ' نَحْوِیْ اور قُرْبِیْ" اور اس جیسے دیگر الفاظ استعمال کرتا ہے جو کہ الفاظ میں مختلف ہونے کے باوجود معنی میں یکساں ہیں۔ یہ قول ابن جریر طبری کا ہے۔

اس کے بعد حافظ ابن جریر فرماتے ہیں:

"اب یہ تمام لغات باقی نہیں ہیں بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام مسلمانوں کو ایک

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حرف اور ایک ہی مصحف پر جمع کردیا اور باقی جملہ مصاحف کو ضائع کردینے کا حکم دے دیا' ماسوائے اس مصحف کے جس کو آپ نے خود جمع فرمایا - اس کے علاوہ ہر اس شخص پر جس کے پاس کوئی مصحف ہو آپ نے لازمی کردیا کہ اس کو اپنے پاس نہ رکھے اور ضائع کردے۔ للذا امتِ مسلمہ نے اس سلسلے میں بالاتفاق آپ کی اطاعت کی' اس امر کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ جو کچھ آپ قرآن کے بارے میں کر رہے ہیں' مبنی برحق اور درست ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے خلیفۂ عادل کی اطاعت کرتے ہوئے اور اپنی اور اپنے بعد آنیوالے سارے اہلِ ملت کی خیر و بھلائی کو مدنظر رکھتے ہوئے باقی چھ حروف کو ترک کردیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حروف کی معرفت ختم ہوتی چلی گئی اور اس کے اثرات و نشانات معدوم ہوگئے۔ چنانچہ آج ان حروف پر قرات کی کوئی صورت نہیں" [4]

اس قول میں احرف کی تفسیر جن سات لغات کے ساتھ کی گئی ہے ان کی تعیین میں علماء کا اختلاف ہے۔

(i) ابو عبید حضرت عبداللہ بن عباس سے بلسند "سعید ابن عروبہ عن قتادہ عمن سمع ابن عباس" نقل کرتے ہیں کہ قرآن دو کعب (یعنی کعبِ قریش اور کعبِ خزاعہ) کی لغتوں میں نازل ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ یہ کیسے ممکن ہے (کہ بیک وقت دو لغتوں میں قرآن نازل ہوا) تو آپ نے کہا کیونکہ دونوں کا گھر اور جائے اصل ایک ہی ہے۔ پھر ابو عبید نے "بروایت کلبی عن ابی صالح عن ابن عباس" یہ قول نقل کیا ہے کہ قرآن سات لغات پر نازل ہوا جن میں پانچ لغات قبیلہ ہوازن کے عجز کی ہیں۔ ابو عبید کہتے ہیں کہ انہیں "ہوازنِ علیا" بھی کہا جاتا ہے جو یہ ہیں: سعد بن بکر' جشم بن بکر' نصر بن معاویہ اور ثقیف

(ii) بقول ابو حاتم [5] سجستانی ان سات لغات سے مراد قریش' ہذیل' تمیم' ازد' ربیعہ' ہوازن اور قبیلہ سعد بن بکر کی لغات ہیں۔

(iii) ابو علی الاہوازی [6] کا رجحان اس طرف ہے کہ یہ سب لغات دراصل قریش کے بطون میں ہی ہیں۔

---

(۴) تفسیر ابن جریر: (۱/ ۵۷ – ۶۴)

(۵) سهل بن محمد بن عثمان بن القاسم ابو حاتم السجستاني ت سنة ٢٥٠ (بغية الوعاة ٢/ ٦٠٦)

(٦) الحسن بن علي بن ابراهيم بن يزداد بن هرمز الاستاذ ابو علي الاهوازي شيخ القراء بالشام في عصره' ت سنة ٤٤٦ (١/ ٢٢٠)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(iv) بعض کے قول کے مطابق یہ سب "مُضَر" قبیلہ میں سے ہیں۔

(v) ابن عبدالبر نے بعض اصحابِ علم سے اس قول کو بھی نقل کیا ہے کہ یہ سات لغات: "ہذیل، کنانہ، قیس، ضبہ، تیم الرباب، اسد بن خزیمہ اور قریش" کی ہیں۔ [7]

چھٹا قول:

ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ، ابوالفضل الرازی المقری اور محمد بن الجزری المقری کہتے ہیں کہ الاحرف السبعہ سے "کلماتِ قرآنیہ میں اختلاف اور تغایر" کی سات قسمیں مراد ہیں۔ یعنی سبعہ حروف کے ذریعے کلماتِ قرآنی میں ہونے والی تبدیلی "اختلاف کی سات قسموں" سے خالی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ ان تغیرات اور اختلافات کی تعداد کے سات ہونے پر تو سب کا اتفاق ہے لیکن ان کے تعین اور وضاحت کے ضمن میں اختلاف ہے۔

○ ابن قتیبہ کہتے ہیں [8] کہ میں قرآن میں سبعہ حروف کے ذریعے ہونے والی تبدیلیوں پر غور و فکر کرتا رہا جس کے نتیجے میں مجھے اختلاف کی سات صورتیں معلوم ہوئیں:

(i) تغیر کی پہلی صورت یہ ہے کہ کسی کلمہ کے اعراب اور حرکت میں ایسی تبدیلی ہو جو نہ اس کے معنی میں تغیر کرے نہ صورتِ خطی میں۔ جس طرح کہ فرمانِ الٰہی ﴿ هٰؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ ﴾ میں ﴿ هُنَّ اَطْهَرَ ﴾ یعنی راء پر پیش کے بجائے زبر۔

(ii) کسی کلمہ کے اعراب یا حرکت میں ایسی تبدیلی واقع ہو جو اس کے مفہوم و معنی کو تبدیل کردے لیکن صورتِ خطی برقرار رہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿ رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا ﴾ میں ﴿ رَبُّنَا ﴾ یعنی باء کے ضمہ کے ساتھ۔

(iii) کلمہ کے اعراب میں تبدیلی کی بجائے اس کے حروف میں ایسی تبدیلی ہو جس سے معنی تو متغیر ہو جائے لیکن صورتِ خطی برقرار ہے۔ مثلاً ﴿ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ﴾ کی بجائے ﴿ نَنْشُرُهَا ﴾

(iv) اختلاف کی چوتھی صورت یہ ہے کہ کسی کلمہ میں تغیر اس کی صورت خطی یعنی صورت و ہیئت پر تو اثر انداز ہو لیکن معنی میں کوئی فرق نہ آئے۔ مثلاً ﴿ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً ﴾ کی جگہ ﴿ اِلَّا زَقْيَةً ﴾

---

(۷) الاتقان (۱/۱۳۵)

(۸) تاویل مشکل القرآن: (ص ۲۸)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(v) تبدیلی اس طور ہو کہ کلمہ کی شکل وصورت کے ساتھ معنی بھی تبدیل ہو جائیں جیسے ﴿ طَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴾ کی جگہ ﴿ طَلْعٍ مَّنْضُوْدٍ ﴾

(vi) اختلاف کی نوعیت تقدیم و تاخیر کی قبیل سے ہو مثال کے طور پر ﴿ وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ﴾ کی بجائے ﴿ وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْحَقِّ بِالْمَوْتِ ﴾ پڑھا جائے۔

(vii) کلمات میں زیادتی یا نقص... مثلاً ﴿ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ﴾ کی بجائے ﴿ وَمَا عَمِلَتْ اَيْدِيْهِمْ ﴾ اور ﴿ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴾ کی بجائے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴾ ۔

● ابو الفضل الرازی کے مطابق تغیرات کی سات قسمیں[9] یہ ہیں:

(i) واحد، تثنیہ، جمع اور تذکیر و مبالغہ جیسے اسماء کے اوزان کا مختلف ہونا (یعنی واحد کی جگہ تثنیہ یا مذکر کی بجائے مؤنث۔

(ii) افعال (ماضی، مضارع، امر، نہی) کا ایک دوسرے سے تبدیل ہو جانا۔ اس طرح وہ اسماء جن کی طرف فعل کی نسبت ہوتی ہے۔ (مثلاً مذکر، مونث، متکلم، مخاطب اور فاعل و مفعول) کا مختلف ہونا۔

(iii) اعراب کی مختلف وجوہ کے ذریعے وجود میں آنے والی تبدیلی

(iv) کمی اور زیادتی کی قسم سے وجود میں آنیوالی تبدیلی

(v) تقدیم و تاخیر کی قبیل سے ہونے والی تبدیلیاں

(vi) ایک کلمہ کے حروف کا قلب..... یا ایک کلمہ کا دوسرے کلمہ سے تبادلہ یا دوسرے حروف سے تبادلہ۔

(vii) مختلف لغات کے ضمن میں ہونے والی تبدیلیاں۔

● ابن جزری کہتے ہیں[10] کہ میں نے صحیح، شاذ، منکر اور ضعیف یعنی قراءت کی ہر قسم کا بغور جائزہ لیا ہے جس کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جملہ حروف کا باہمی اختلاف ان سات صورتوں سے خالی نہیں:

---

(۹) اس قول کو سیوطی نے نقل کیا ہے اور رازی کی کتاب اللوائح کی طرف اس کی نسبت کی ہے۔ الاتقان (ابو الفضل بن ابراہیم جس کے طابع ہیں) میں "اللوائح" یعنی ہمزہ کے ساتھ ہے۔ جبکہ اصل میں اس کتاب کا نام "اللوامح" بالمیم ہے۔

(۱۰) النشر (۱/۲۶)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(i) معنی اور شکل و صورت میں تبدیلی کی بجائے کسی کلمہ کی حرکات میں تغیر ہو۔ جس طرح کہ ﴿ اَلْبُخل ﴾ میں چار قسم کی حرکات اور ﴿ یَحْسِبُ ﴾ میں دو قسم کی حرکات پڑھنا جائز ہے۔

(ii) معانی میں تغیر ہو فقط! جیسے ﴿ فَتَلَقّٰی آدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمَاتٍ فَتَابَ اِلَيْهِ ﴾ میں ﴿ كَلِمَتٍ فَتَابَ اِلَيْهِ ﴾ اور ﴿ وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ ﴾ کی بجائے ﴿ وَادَّكَرَ بَعْدَ اَمَهٍ ﴾

(iii) معنی میں تغیر کے ساتھ ساتھ حروف میں بھی تبدیلی ہو جائے لیکن صورت خطی تبدیلی نہ ہو۔ مثلاً ﴿ تَبْلُوا ﴾ کو ﴿ تَتْلُوا ﴾ اور ﴿ نُنَجِّيْكَ ﴾ کو ﴿ نُنَحِّيْكَ ﴾ یعنی حاء کے ساتھ۔

(iv) حروف میں تغیر کے باوجود معنی میں تبدیلی نہ ہو۔ جب کہ صورت تبدیل ہو جائے۔ جیسے ﴿ بَصْطَةً ﴾ کی بجائے ﴿ بَسْطَةً ﴾ اور ﴿ اَلصِّرَاطَ ﴾ کی جگہ ﴿ اَلسِّرَاطَ ﴾

(v) معنی اور صورت دونوں تبدیل ہو جائے جیسے ﴿ اَشَدَّ مِنْكُمْ ﴾ اور ﴿ مِنْهُمْ ﴾ .. ﴿ يَاْتَلِ ﴾ اور ﴿ يَتَاَلَّ ﴾ .. ﴿ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ کی جگہ ﴿ فَامْضُوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾

(vi) تبدیلی تقدیم و تاخیر کی قبیل سے ہو' مثلاً ﴿ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ ﴾ کی جگہ ﴿ فَيُقْتَلُوْنَ وَ يَقْتُلُوْنَ ﴾ اور ﴿ جَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ﴾ کی بجائے ﴿ جَاءَتْ سَكْرَةُ الْحَقِّ بِالْمَوْتِ ﴾ ...

(vii) بعض کلمات میں کمی کردی جائے یا بعض میں زیادتی حروف ہو جائے۔ جیسے وَصّٰی کی جگہ اَوْصٰی اور ﴿ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴾ کی جگہ ﴿ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى ﴾ یعنی راء کے کسرہ کے ساتھ۔

ابو مجاہد (صاحبِ مضمون) کہتے ہیں: ایسے اقوال جن کی طرف "سبعہ احرف" کی توضیح کے سلسلے میں رجوع کیا جاسکتا ہے اور جو عقل و نظر کی کسوٹی پر پورا اترتے ہیں یہی مذکورہ بالا چھ اقوال ہیں۔ جن کی حقیقت اور صواب و خطاء کا فیصلہ بڑی بحث و تمحیص اور دقتِ نظر کے بعد ہی کیا جاسکتا ہے۔ سو جب ہمارے سامنے ان اقوال کے حقائق اور ان کے دلائل واضح ہو جائیں تب ہی ان میں قولِ مختار کا حتمی فیصلہ کرنا ممکن ہو سکے گا۔

اب ہم اپنے ترتیب شدہ خاکے کی روشنی میں ان چھ اقوال کو ثابت اور متواتر قرآءات پر پیش کریں گے جس میں ان پر وارد ہونے والے اعتراضات و اشکالات کو بیان کرتے ہوئے قولِ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

راجح کی نشاندہی کی جستجو کی جائے گی اور اللہ کی توفیق اور خصوصی اعانت کے ساتھ اس بحث کے آخر تک ہم کسی ایسے نتیجہ پر پہنچ جائیں گے جو دلائل و براہین کے لحاظ سے مضبوط' اعتراضات سے محفوظ اور قرآءاتِ قرآنیہ کے قریب تر ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

سابقہ اقوال پر بحث و تمحیص

قولِ اول:

جس میں حروف کے بارے میں یہ مؤقف اختیار کیا گیا ہے کہ حدیثِ سبعہ احرف دراصل معنوی لحاظ سے متشابہ ہے اور اس کے مفہوم کا ادراک نہیں ہو سکتا۔

اگر تو یہ بات اس قول کے قائل کی اپنے بارے میں ہے کہ میرے لئے یہ حدیث متشابہ المعنی ہے اور میں اس کے مفہوم کو نہیں سمجھ سکا۔ تب تو اس قول میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اگر قائل کی مراد تمام امت کے لئے مطلق طور پر ہے کوئی بھی امتی اس کے مفہوم و حقیقت سے آشنا نہیں تو قائل کا یہ نظریہ فقط ایک غلط فہمی ہے اور اس نظریے کی تردید اس امر سے بخوبی ہو جاتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی امت کو سکھانے اور تعلیم دلانے کے لئے مبعوث کئے گئے تھے جس میں آپ کو سبعہ احرف کی تعلیم دینے کا حکم بھی تھا۔ چنانچہ آپ نے امت کو عملاً اس کی تعلیم دی اور انہیں ان حروف پر تلاوت کا حکم دیا۔ جس کو امت بجالائی (جیسا کہ احادیثِ سابقہ بھی اس پر مُصرّح ہیں) اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سبعہ احرف پر تلاوت کرتے رہے اور بخوبی ان کا علم رکھتے تھے یا صحابہ کی اکثریت کے پاس ان حروف کا علم تھا۔ بعد میں صحابہ نے تابعین کو اس کی تعلیم دی اور یہ حروف ہر زمانے میں رائج رہے۔ حتی کہ ہم تک متصل اسانید کے ساتھ پہنچ گئے۔ ان تمام حقائق کی روشنی میں یہ کیسے کہا جاتا ہے کہ یہ سبعہ حروف متشابہ المعنی ہیں جن کے معانی و مفاہیم کا ادراک نہیں کیا جا سکتا....؟

اگر اس قول سے مراد یہ ہے کہ پہلی صدی ہجری کے مسلمان اس کا علم رکھتے تھے اور ان کے ساتھ قرات کرتے تھے لیکن بعد میں یہ علم ختم ہوگیا اور اس کے اثرات و نشانات معدوم ہو گئے۔ لہٰذا آج ہم اس کی حقیقت کو نہیں جان سکتے تو اس بات کا بھی عقل و فہم سے کچھ واسطہ نہیں۔ یہ وہی بات ہے جس کو ابنِ جریر نے اختیار کیا ہے اور اس پر تفصیلاً بحث آگے پانچویں قول کے ضمن میں آئے گی لیکن مختصراً یہ سمجھ لینا چاہیے کہ:

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن کی ایسی ثابت قرآءات جو آج ہم میں موجود اور مروّج ہیں اور اپنے دامن میں الاحرف السبعہ کو سموئے ہوئے ہیں' کے بارے میں اہل علم و تحقیق کا کبھی یہ اختلاف نہیں رہا کہ ان متواتر عشرہ قرآءات کا بڑا حصہ احرفِ سبعہ پر مشتمل ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ بھی متفقہ بات ہے کہ عشرہ قرآءات ان تمام حروف پر مشتمل ہیں جو نبی اکرم ﷺ پر سب سے آخر میں نازل کئے گئے تھے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی تاقیامت حفاظت کی ذمہ داری اپنے سَر لی ہے اور ایسا ممکن نہیں کہ قرآن سے کچھ بُھلا دیا گیا ہو' یا معدوم ہوگیا ہو۔ لہٰذا اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جملہ حروف جو نبی اکرم ﷺ پر سب سے آخر میں نازل ہوئے سب کے سب محفوظ و مامون ہیں حتی کہ ہر دور میں امت کا ان کو تلقی بالقبول حاصل رہا ہے اور یہ ہمیشہ محفوظ ہی رہیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ قرآن کے اٹھالئے جانے کا حکم دے دیں۔ اس قول کی تردید "حدیث میں وارد شدہ صراحت" سے بھی ہوتی ہے کہ ان سبعہ حروف کے نزول کا مقصد امت کے لئے آسانی پیدا کرنا ہے۔ کیا مجہول اور نامعلوم شے سے امت کے لئے آسانی پیدا ہوسکتی ہے۔ علاوہ ازیں کس دلیل کی بنا پر اس رخصت اور آسانی کو فقط دورِ اول تک محدود کیا جاسکتا ہے' جبکہ حدیث میں "امت" کے لفظ عام ہیں اور پوری امتِ محمدیہ پر دال ہیں۔

باقی رہا یہ مسئلہ کہ حرف کا مفہوم قطعی نہیں اور یہ ایسا لفظ ہے جو مشترک اور کثیر معانی پر بولا جاتا ہے تو یہ بات تو صحیح ہے کہ حرف کا لفظ عام ہے لیکن باوجود اس کے قرائن و آثار کی رو سے حرف کی تعیین اور مراد واضح اور حتمی ہوچکی ہے (جیسا کہ آگے تفصیل سے بیان ہوگا) چنانچہ اس تفصیل کے بعد حرف کا لفظ مشترک نہیں رہے گا بلکہ احادیثِ سبعہ احرف میں استعمال ہونے والے حرف کا مفہوم متعین ہوجائے گا۔

قولِ ثانی:

یہ قول کہ "سبعہ احرف" کے الفاظ سے حقیقتاً عدد اور گنتی مراد نہیں بلکہ حدیثِ سبعہ احرف کا مفہوم ومنشا یہ ہے کہ صحابہ کو آپ نے قرآءت بالمعنی کی رخصت دی ہے جس میں وسعتِ زبان کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی بھی ہم معنی لفظ تلاوت کیا جاسکتا ہے۔

اس قول کے قائلین کو دراصل اس سلسلے میں وارد ہونے والے فرمانات سے التباس پیدا ہوا ہے۔ جس طرح کہ اُبی بن کعب' ابوہریرہ اور ابوبکرہ کی احادیث کے ظاہر الفاظ سے یہ اشکال پیدا ہوتا ہے جو اس طرح ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے سبعہ احرف کے فرق کو سمجھاتے ہوئے صحابہ کو

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مثال دی کہ تم علیماً حکیماً کی جگہ غفوراً رحیماً پڑھ سکتے ہو اور ایک روایت[11] میں اس پر ان الفاظ کا اضافہ بھی منقول ہے کہ "تم سبعہ احرف پر بلا جھجک تلاوت کرو لیکن خیال رہے کہ عذاب کے ذکر کو رحمت اور رحمت کے ذکر کو عذاب سے مت تبدیل کرو"۔ اسی طرح ابن مسعود سے موقوفاً یہ الفاظ بھی منقول ہیں کہ میں نے قرآءات کو سنا تو باہم متقارب پایا۔ لہٰذا جیسے جیسے تمہیں سکھایا گیا ہے ویسے ہی پڑھو۔ اور اس میں شک سے بچو کیونکہ قرآءات کا معاملہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی "هَلُمَّ" کی جگہ "تَعَال" اور "أَقْبِل" کہہ دے[12]۔

سوانحی مذکورہ بالا مرویات سے اس قول کے قائلین کو یہ نظریہ اپنانے میں تقویت ملی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کو اجازت دی تھی کہ قرآن کے مُنزّل الفاظ کی بجائے کوئی اور بھی تلاوت کئے جاسکتے ہیں جب کہ درحقیقت ایسا نہیں۔ کیونکہ ان مذکورہ نصوص سے زیادہ سے زیادہ یہی بات اخذ کی جاسکتی ہے کہ حدیث میں آنے والی مثالوں کے ساتھ نبی اکرم ﷺ نے صرف سبعہ احرف کے ذریعے وقوع پذیر ہونے والے اختلاف اور تبدیلی کی نوعیت بذریعہ مثال واضح فرمانے کا ارادہ کیا تھا کہ دیکھو جس طرح فلاں دو الفاظ میں ان کا باہمی تناقض و تضاد نہیں اسی طرح سبعہ احرف میں ہونے والے تغیرات بھی اسی قبیل سے ہیں۔ تاکہ آنے والے لوگوں کو قرآءات کے استعمال سے قرآن میں اضطراب کا شائبہ نہ ہو۔ یعنی ان کے ذہن میں یہ خیال نہ آنے پائے کہ قرآءات کے استعمال سے قرآن کا مفہوم و مدعا بھی تبدیل ہو جاتا ہے اور ان کے سامنے بخوبی واضح ہو جائے کہ سبعہ احرف کے ذریعے ہونے والے اختلافات کی کیا نوعیت ہے۔ چنانچہ ابن مسعود نے "هَلُمَّ ' تَعَال" وغیرہ اور نبی اکرم ﷺ نے ﴿ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴾ کی بجائے ﴿ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴾ کی سی مثالیں دے کر وضاحت فرمادی کہ یہ سب کی سب صفاتِ الٰہی ہیں۔ اگر ایک قرآءت میں ﴿ غفوراً رحیماً ﴾ کہہ دیا جائے اور دوسری قرآءت میں اللہ عزوجل کو علیم و حکیم سے موصوف کردیا جائے تو اس میں کوئی معنوی تضاد نہیں۔

دوسرے قول میں بیان ہونے والے نظریہ کی مزید تردید حضرت علیؓ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ "ویسے پڑھو جیسے سکھائے گئے ہو"[13] حضرت علیؓ کے اس فرمان سے بالصراحت ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کی کوئی بھی قرآءت

(۱۱) دیکھئے حضرت ابی' ابوہریرہ اور ابوبکرہ رضی اللہ عنہم کی احادیث میں: (محدث جلد ۲۳ شمارہ ۴) صفحہ جات: ۴۱' ۵۴ اور ۶۰

(۱۲) دیکھیں احادیث حضرت ابن مسعود: صفحہ ۴۸ (محدث جلد ۲۳' شمارہ ۴)

(۱۳) دیکھیں ص: ۴۰ (محدث جلد ۲۳' شمارہ ۴)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائز نہیں الا یہ کہ نبی اکرم ﷺ سے اس کا منقول ہونا ثابت ہو اور آپ سے سنی گئی ہو۔ چنانچہ ابن مسعود کے قول کو بھی اسی تاویل پر محمول کیا جائے گا۔ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول "فَاقْرَءُوْا كَمَا عُلِّمْتُمْ" میں ثابت ہونے والی دلیل سے ثابت ہوتا ہے۔ مزید برآں رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعض اقوال میں فرمایا کہ جبریل علیہ السلام نے انہیں کہا کہ "اللہ تعالیٰ آپ کو حکم فرماتے ہیں کہ اپنی امت کو سات حروف پر قرآن پڑھایئے"۔ یہ دلیل بھی اس بات کو صراحتاً ثابت کرتی ہے کہ جس قرآءت کو نبی اکرم ﷺ نے تلاوت نہیں کیا اور امت کو نہیں سکھلایا' اس کو احرفِ سبعہ کے ضمن میں نہیں لایا جاسکتا لہٰذا اصحابِ کرام کے جو واقعات احادیث میں مذکور ہیں کہ انہوں نے قرآءت میں اختلاف کیا اور ابتداءِ امر میں بعض صحابہ نے بعض پر اس کی قرآءت کا انکار کیا۔ تو ان سب واقعات میں کسی سے بھی یہ منقول نہیں کہ کسی صحابی نے اپنی طرف سے کچھ پڑھا ہو بلکہ ہر ایک کا یہ کہنا ہے کہ "مجھے اس طرح نبی اکرم نے پڑھایا ہے"

ان دلائل سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ سبعہ حروف کے ذریعے کلمات و حروف کو تبدیل کرکے پڑھنے کی رخصت عام نہیں بلکہ اس بات سے مقید ہے کہ جو آپ پر نازل ہوا اور آپ نے آگے سکھلایا اُس پر ہی تلاوت جائز ہے۔ کسی صحابی کے لئے یا بعد میں امت کے کسی بھی فرد کے لئے یہ جائز نہیں کہ کسی ایسی قرآءت کی تلاوت کرے جو نبی اکرم نے امت کو نہیں سکھائی الغرض قرآن میں کسی بھی لفظ کا ہم معنی متبادل لفظ اپنی طرف سے تلاوت نہیں کیا جاسکتا۔

اگر یہ کہا جائے کہ: "سبعہ احرف سے درحقیقت عدد مراد نہیں بلکہ یہ کثرت کے مفہوم کے لئے استعمال ہوا ہے جس طرح کہ اکثر اہلِ عرب کی عادت ہے"۔

تو اس اشکال کی بھی حقیقت یہ ہے کہ امرِ واقعہ ایسے نہیں کیونکہ واضح نصوص (جن کا ذکر تفصیل سے ہوچکا ہے) عدد کو ثابت کرتے ہیں اور حروف کی حدبندی پر دال ہیں۔ اور کسی بھی جگہ پر سبعہ کے علاوہ کوئی اور عدد استعمال نہیں ہوا' اس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ سبعہ سے خاص عدد ہی مراد ہے۔ (مزید تفصیل آگے ملاحظہ فرمائیں۔)

قولِ ثالث:

تیسرا قول کہ "احرفِ سبعہ سے احکام و معانی وغیرہ کی اقسام مراد ہیں"

صاحبِ قول کے اس شبے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حدیثِ ابن مسعود کے ظاہری متن کو (جسے امام حاکم وغیرہ نے روایت کیا ہے) سمجھنے میں غلطی کھائی ہے جس میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے کہا:

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"پہلی کتاب ایک دروازے سے ایک ہی حرف پر نازل ہوئی' جبکہ قرآن کریم سات دروازوں سے سات حروف پر نازل ہوا ہے: ڈرانے والا' حکم دینے والا' حلال کرنے والا' حرام کرنے والا' اپنی مراد میں واضح یعنی محکم' متشابہ' اور گذشتہ قوموں کے حالات بتانے والا"[۱۴]

چنانچہ انہیں گمان یہ ہوا کہ یہ مذکورہ انواع "اَحرف" کی تفسیر ہیں' جبکہ فی الحقیقت ایسا نہیں۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے دراصل اس حدیث میں دروازوں اور حروف کے بارے میں خبر دیتے ہوئے اس کے ساتھ ساتھ ایک تیسری چیز کی بھی خبر دی ہے جس کا پہلی دو سے کوئی تعلق نہیں' جو قرآن کے معانی و مقاصد کے گرد گھومتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ساتوں کلمات (جو کہ معانی و احکام سے متعلق ہیں) حال ہونے کی بناء پر منصوب ہیں نہ کہ مجرور..... (یعنی "عَلَیٰ سَبْعَةِ اَحْرُفٍ" کا بدل بنتے ہوئے مجرور نہیں بلکہ حال بنتے ہوئے منصوب ہیں)۔ لہٰذا عبارت کی تقدیر یوں ہے کہ قرآن نازل کیا گیا اس حال میں کہ ڈانٹنے والا ہے' حکم دینے والا ہے.......... الخ

اس کے علاوہ روایات سے یہ بات حتمی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ حروف سے مراد پڑھنے کی صورتیں ہی ہیں نہ کہ اصناف معانی و احکام! جس طرح کہ نبی اکرم ﷺ سے مختلف احادیث میں یہ الفاظ منقول ہیں کہ مجھے جبریل پڑھایا کرتے تھے اور عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں کہ میں نے ہشام بن حکیم کو سنا کہ وہ اس صورت پر سورۂ فرقان کی تلاوت فرما رہے تھے جو نبی اکرم ﷺ نے مجھے نہیں سکھائی تھی۔ سو ان احادیث کی موجودگی میں کہ جن میں پڑھنے یا پڑھانے کا تذکرہ صراحت سے موجود ہے' سبعہ احرف سے مزعومہ مفہوم کس طرح اخذ کیا جا سکتا ہے۔ جو اصحابِ علم ان معانی و احکام کی اصناف قرار دیتے ہیں وہ اس فرمانِ نبوی کا کیا مفہوم بیان کریں گے کہ "مجھے جبریل نے ایک صورت پر پڑھایا پھر دوسری صورت پر.........." کیا فقط "حلال" بتانے والی یا "حکم" ثابت کرنے والی' یا زجر و توبیخ والی آیات پر جبریل نے پہلے تلاوت کروائی اور ایک صنف کی تلاوت کے وقت دوسری اصناف کو نظر انداز اور حذف کر دیا پھر دوسری صنف پر تلاوت کروائی پھر تیسری صنف پر.........؟ اس غلط مفہوم کی تردید کے لئے ہمیں ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث "احرفِ سبعہ" روایت کرنے والے تابعی ابن شہاب زہری کا قول بے حد کافی ہے کہ جن کا شمار تابعین میں حفاظ کے امام کی حیثیت سے ہوتا ہے' فرماتے ہیں: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ یہ سات حروف ایسے معاملے میں ہوتے ہیں جو حرام و حلال میں مختلف نہیں ہوتا۔ واضح

(۱۴) احادیث ابن مسعود ص: ۵۱ (محدث جلد ۲۳' شمارہ ۴)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہے کہ "بلغنی" سے مراد یہی ہے کہ وہ صحابہ سے یہ بات روایت کر رہے ہیں۔ اسی طرح ابن جریر محمد بن سیرین سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ سبعہ احرف حلال و حرام اور امر و نہی میں باہم مختلف نہیں ہوتے۔ بلکہ ان کی مثال ایسے ہی ہے جیسے "تعَال" کی جگہ "هَلُمَّ" یا "أَقبل" کہہ دیا جائے۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ جس طرح ہماری قراءت میں ﴿ إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً ﴾ ہے اور ابن مسعودؓ والی قراءت[15] میں ﴿ إِنْ كَانَتْ إِلَّا زَقْيَةً وَاحِدَةً ﴾ کے الفاظ ہیں۔

قولِ رابع:

سبعہ احرف کے بارے میں یہ نظریہ کہ قرآن مجید کی سات قرآءات سے مراد اہل عرب کی سات مشہور اور فصیح لغات ہیں جو کہ قرآن مجید میں زیر استعمال ہیں اور کچھ لغات کا استعمال قرآن میں زیادہ ہے اور کچھ کا قدرے کم.....

اگرچہ یہ قول گذشتہ اقوال کی نسبت قوی معلوم ہوتا ہے مگر چند چیزیں ایسی ہیں جو اس میں ضعف کا باعث ہیں۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اس قول کے قائلین کا ان لغاتِ فصحیٰ کی تعیین میں اور ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ جب کہ احرفِ سبعہ کے ضمن میں واقعہ یہ ہے کہ حدیث میں ان کے عدد کا تعین نہ صرف موجود ہے بلکہ اکثر احادیث بھی اس تعداد پر دلالت کرتی ہیں۔ لہٰذا اگر ان سے مراد وہ ہے جو یہ کہتے ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ صحابہ سے ان کا یہ مفہوم کیوں مخفی رہا حالانکہ انہیں یہ حروف پڑھائے اور سکھائے گئے تھے (جیساکہ پیچھے گزر چکا ہے۔) انہوں نے حروف پر تلاوت بھی کی اور ہم تک ان حروف کا اکثر حصہ بھی پہنچا ہے جو کہ آج بھی ہمارے سامنے ہے۔

جہاں تک ابنِ عباس سے منقول دو آثار کا تعلق ہے تو ان کی اسانید میں ضُعف کے باعث وہ قابلِ حجت نہیں کیونکہ ان میں سے ایک اثر کو تو قتادہ نے ایک غیر معین مجہول راوی سے روایت کیا ہے لہٰذا وہ روایت "منقطع" ہے جبکہ دوسری روایت کلبی سے مروی ہے جو کہ "کذاب" ہے[16]

انہی اعتراضات میں سے دوسرا یہ ہے کہ ایسا شخص جو ان قرآءات کا علم رکھتا ہے اور ان کو سمجھتا ہے یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ یہ قرآءات فقط اُن لغات پر ہی منحصر نہیں جن کا ذکر ہوا ہے بلکہ اسی قول کے اعتقاد رکھنے والے لغت کے ماہرین بھی قرآن مجید میں استعمال ہونے والی لغات کے ضمن میں ان کی ایک طویل فہرست گنواتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی ہمیں بھی ان کی معلومات

---

(۱۵) تفسیر ابن جریر: (۱/ ۵۳)

(۱۶) دیکھیے صفحہ نمبر: ۱۵۱

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر شک کا گمان ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ابنِ عبید نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں اس نے بے شمار مفرداتِ قرآن کو موضوع بناتے ہوئے ان کی نسبت مختلف لغات عرب کی طرف کی ہے' جبکہ وہ لغات صرف وہی نہیں جو اس قول کے قائلین اور خود ابن عبید ذکر کرتے ہیں۔ مزید بر آں عمر بن خطاب کا قول بھی (جو انہوں نے ابن مسعود سے فرمایا) اس نظریہ کی تردید کرتا ہے کہ انہوں نے کہا کہ بلاشبہ قرآن لغتِ قریش پر نازل ہوا ہے سو آپ لوگوں کو لغتِ قریش کے مطابق ہی پڑھایئے اور سکھلایئے نہ کہ ہذیل کی لغت کے مطابق[17] اسی طرح صحیح بخاری میں عثمان بن عفان کا قول بھی (جو کہ مصحف کی کتابت کے وقت کہا گیا) صحیح طور پر ثابت ہے کہ: جب تمہارا اور زید بن ثابت کا قرآن کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو اس کو لغتِ قریش کے مطابق لکھ لیا کرو کیونکہ قرآن ان کی لغت پر نازل ہوا ہے[18]

قرآن کریم کے بارے میں ان دو آثارِ صحیحہ سے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ قرآن میں صرف ایک ہی لغت اور ایک ہی زبان ہے جو کہ صرف اور صرف قریش کی ہے۔ عمر بن خطاب کے قول میں تو ابن مسعود کو اس بات سے منع بھی کیا گیا ہے کہ وہ کسی شخص کو لغتِ ہذیل میں قرآن مت پڑھائیں جبکہ ہذیل عرب کے ان بڑے اور اہم قبائل میں سے ہی ایک ہے جن کے بارے میں ابن عبید وغیرہم کا یہ کہنا ہے کہ قرآن ان کی لغت پر نازل ہوا۔ ان دونوں صحیح آثار سے ثابت ہونے والی وضاحت کے بعد ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ اپنے ان بھائیوں سے یہ پوچھیں کہ وہ ان آثار کا کیا جواب دیتے ہیں؟ اور کون سی ایسی تاویل کرتے ہیں جس کی مدد سے وہ ان آثار سے نکلنے کی راہ پا سکیں۔

قولِ خامس:

ابن جریر کے اس قول کی دو شقیں ہیں:

(ا) پہلی تو یہ ہے کہ ان حروفِ سبعہ سے مراد یکساں معانی رکھنے والے مختلف الفاظ کا استعمال ہے اور ابن مسعود کی مثال سے اس پر دلیل لی گئی ہے کہ انہوں نے کہا (یہ احرفِ سبعہ کی مثال تو ایسے ہے جیسے کوئی شخص ھَلُمّ کی بجائے تَعَالَ اور اَقْبِل کہہ دے کہ جن سب کا معنی یکساں ہے)

سو ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ اس مثال سے ابن مسعود کی مراد حصر نہیں بلکہ صرف احرفِ

---

(17) ایضاح الوقف والابتداء للانباری: ۱/ ۱۳

(18) صحیح بخاری میں کتاب التفسیر "باب جمع القرآن" (۱/ ۲۲۶)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سبعہ کی وجہ سے رونما ہونے والے اختلافات میں سے کسی ایک کی طرف ذہن کو متوجہ کراتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی ثابت شدہ قرآءات کا استقراء اور استعمال ابن جریر کے اس قول کا بخوبی رد کرتا ہے کیونکہ ان میں اختلاف و تغایر کی متعدد صورتیں استعمال ہوئیں ہیں جن میں ایک "ترادف" بھی ہے۔ مزید برآں یہ بات بھی ہے کہ اہل عرب کا باہمی اختلاف دراصل لہجات میں ہے۔ ادغام کرنے' نہ کرنے'کسی حرف کو پستی سے یا فتح سے پڑھنے' جھٹکا دینے یا نہ دینے' لمبا کرنے یا نہ کرنے اور اسی طرح کی دیگر صورتوں میں فی الواقع اختلاف ہے اور قرآءات کا بڑا مقصد بھی دوسرے طرزِ ادا کی مشقت کو دور کرنا ہے جو ھلم کی جگہ' اقبل اور تعال پڑھنے کی بجائے ان صورتوں میں زیادہ ہے جو اَدا سے متعلق ہیں اور اوپر ذکر ہوئی ہیں۔

چنانچہ احرف کی اس طور تفسیر کرنے کا نتیجہ یہی ہو سکتا ہے کہ باقی تمام تغیرات جن میں لہجات کا استعمال بھی ہے اپنی اصل صورت پر ہی قائم رہیں اور ان میں کوئی تبدیلی نہ ہونے پائے۔ جبکہ یہ بات اس حکمت کے عین منافی ہے جس کے لئے احرف سبعہ کو نازل کیا گیا اور وہ حکمت یہی تھی کہ مختلف زبانیں بولنے والی امت سے مشقت دور کی جائے۔ زبانوں کا باہمی اختلاف بھی فی الحقیقت لہجات کا ہی ہے جو کہ ثابت شدہ قرآءات متواترہ سے ہی ختم ہو سکتا ہے۔

(ii) ابن جریر کے قول کی دوسری شق یہ ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک مصحف کے علاوہ جو کہ ایک حرف پر تھا باقی چھ حروف کو ختم کردیا اور امت پر ان چھ کی تلاوت' ممنوع و منسوخ کردی۔

ابن جریر کا یہ قول عجیب و غریب ہونے کے ساتھ ساتھ غایت درجہ ضعیف بھی ہے۔ کیونکہ ان کے قول میں اس بات کا دعویٰ کیا گیا ہے کہ اجماعِ صحابہ کے ساتھ قرآن کے بعض حصے کو منسوخ کردیا گیا تھا جبکہ ان حروف میں سے ہر ایک حرفِ مُنزّل "قرآن" ہے۔ حضرت عثمان کو یا صحابہ میں سے کسی ایک کو بلکہ تمام صحابہ کو بھی یہ حق کیسے پہنچتا ہے کہ کسی صریح نص کے بغیر قرآن کا بیشتر حصہ لغو قرار دے دیں۔

اگر ہم ابن جریر کا ساتھ دیتے ہوئے لحہ بھر کو بھی یہی فرض کرلیں کہ دراصل بات یہ ہے کہ امتِ مسلمہ کو ان حروف پر تلاوت کرنے' کسی ایک کو اختیار کرنے اور باقی کو چھوڑ دینے کا اختیار دیا گیا تھا اور ایسا نہیں تھا کہ امت پر تمام حروف کے ساتھ قرآءت لازمی تھی کیونکہ اللہ کی طرف سے یہ ایک رخصت تھی جو اللہ تعالیٰ نے امت کے لئے نازل کی۔ لہٰذا اگر انہوں نے ایک رخصت کو امت کے حالات کے پیشِ نظر حذف کردیا تو اس پر کیا مضائقہ ہے...؟

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو اس پر بھی ہم یہی کہہ سکتے ہیں: کہ یہ اختیار اور رخصت ان حروف میں کسی پر قراءت کی صرف اس حد تک تھی کہ جو قاری کو آسان اور سہل معلوم ہو اس پر تلاوت کرسکتا ہے نہ کہ اس کو ان حروف کو آگے نقل کرنے کے بارے میں بھی اختیار دیا گیا تھا۔ بلکہ امت پر تو لازم تھا کہ ان جملہ حروف کو آگے روایت کرے اور بعد میں آنے والوں تک بحفاظت پہنچائے۔ کیونکہ ہر ایک حرف بمنزلہ ایک آیت کے ہے اور حضرت عثمان و دیگر صحابہ قطعاً یہ حق نہیں رکھتے تھے کہ ان میں سے کچھ بھی لغو اور بے فائدہ قرار دے کر حذف کروادیں۔

اس نکتے کی وضاحت ایک مثال سے سمجھئے کہ سفر میں مسلمان کو روزہ رکھنے یا نہ رکھنے میں اختیار ہے چاہے تو عزیمت پر عمل کرتے ہوئے روزہ رکھ لے اور اگر چاہے تو رخصت پر عمل کرلے۔ لیکن اگر وہ چاہے کہ اس رخصت کو ہی باطل قرار دے لے اور نہ صرف اپنے آپ پر بلکہ باقی امت پر بھی سفر میں روزے کو لازم کردے تو کیا اس کا یہ طرزِ عمل درست ہوگا۔ یقیناً نہیں بلکہ اس کے لئے لازمی ہے کہ اس رخصت کو آگے بھی روایت کرے۔ سو سبعہ حروف میں کسی ایک پر تلاوت کے اختیار میں اور ایک کو باقی رکھ کر باقی چھ حروف کو حذف کردینے میں بھی وہی فرق ہے جو سفر میں رخصت و عزیمت کے اختیار کو نقل کرنے میں یا روزے کی رخصت کو باطل کردینے میں موجود ہے۔

چنانچہ صحابہ کے لئے کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ اس رخصت یعنی حروفِ سبعہ میں سے کسی پر تلاوت کی رخصت کو باطل اور لغو قرار دے بیٹھیں۔ جبکہ اس کی حکمت آج تک موجود ہے۔ بلکہ مختلف زبانوں اور مختلف نسلوں کے لوگوں کے دائرہ اسلام میں آجانے کی بدولت اب اس کی ضرورت کہیں زیادہ ہے۔ کیا ایک قریشی پر ہذیل کی زبان کے مطابق تلاوت کرنا۔ بنسبت ایک عجمی کے عربی قرآن کو تلاوت کرنے سے زیادہ مشکل ہے' یقیناً نہیں۔۔۔۔ کیونکہ قریشی اور ہذیل کی لغات باوجود فروعی فرق کے حقیقتاً تو ایک ہی زبان ہے جبکہ عربی اور عجمی کی زبان بالکل مختلف ہے۔

اسی طرح کیا اب امت میں قیامت تک بوڑھے' بچے' جوان اور قریبُ الرگ یا اَن پڑھ اشخاص کی آمد کا سلسلہ ختم ہوچکا ہے اور اب ایسا ممکن نہیں رہا کہ کوئی اپنا شخص اسلام میں داخل ہو جو پڑھنے اور لکھنے سے قطعاً بے بہرہ' عربی زبان کی مشکلات سے دوچار اور تلفظ میں صعوبت کا سامنا کرنے والا ہو۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آج بھی ایسے مسلمانوں کو تلاوتِ قرآن میں مشقت کا سامنا ہے جن کی زبانیں عربی سے مختلف اور عجمی ہیں بلکہ انہیں اس دور سے زیادہ ضرورت اور اس رخصت کی زیادہ حاجت ہے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان حقائق کو سمجھنے اور جاننے کے باوجود نامعلوم کون سی ایسی اہم وجہ ہے جس نے ابن جریر کو اس رائے کے اختیار کرنے پر مجبور کیا حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ جملہ قرآءات مصحف عثمان میں نہ صرف پائی جاتی ہیں بلکہ مصحف عثمانی سے ہی ثابت بھی ہیں (دیکھئے صفحہ ۱۷۹ شرطِ اول)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیسے ممکن ہے کہ ایک ہی مصحفِ عثمانی میں سبعہ حروف بیک وقت موجود ہوں؟ ... یا صورت ایسی ہے کہ ایک حرف کے بجائے مختلف مصاحف میں مختلف حروف ہیں؟؟

اس مسئلہ میں جس رائے کو محققین نے اختیار کیا ہے' یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر آخری مرتبہ جو حروف تلاوت کئے گئے ان میں سے کسی ایک کو بھی حضرت عثمان نے مہمل کیا ہے اور نہ کسی کا ابطال کیا ہے۔ اسی طرح ان کے سلف ابوبکر صدیق سے بھی اس طرح کا کوئی فعل سرزد نہیں ہوا بلکہ مصاحفِ عثمان کے ضمن میں ہی جملہ حروف (جو آپ پر آخری مرتبہ پیش ہوئے) محفوظ اور باقی ہیں اور تاقیامت امت کے لئے ان حروف میں سے کسی پر بھی تلاوت کی رخصت موجود ہے۔

قولِ سادس:

ابن قتیبہ' رازی اور جزری کا یہ کہنا ہے کہ احرف سبعہ سے در حقیقت اختلاف اور تبدل و تغیر کی انواع مراد ہیں جو کہ سات ہیں... الخ

اس قول کی تردید مندرجہ ذیل امور کے ساتھ ہوتی ہے۔

(i) پہلی بات تو یہ ہے کہ انواع تغیر کی نشاندہی اور ان کی تعداد و تعیین پر اتفاق ہونا ضروری امر ہے جبکہ یہ امر ان قائلین کے مابین مختلف ہے۔

(ii) ثانیاً یہ ہے کہ حروف میں تعدد کی اہم تر حکمت ان قبائل اور گروہوں کے لئے رخصت مہیا کرنا تھی جو پڑھنے لکھنے سے بہرہ ور نہیں۔ اور ان کیلئے ان کی زبان پر جاری طرز ادا کے ماسوا دوسرے طرز پر تلاوت مشکل تھی پھر چند مخصوص قبائل کے سوا بالعموم اہل عرب پڑھنے اور لکھنے سے ناآشنا تھے جبکہ ان انواعِ تغیر (جنہیں یہ اصحاب علم بیان کرتے ہیں) کا بڑا اور اہم تعلق طرزِ کتابت اور صورتِ خطی سے ہے نہ کہ طرزِ ادا سے۔ مزید یہ کہ ان تمام انواع کا ادراک اور استنباط صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو بڑی بحث گہرائی اور وسعتِ مطالعہ سے ان کا جائزہ لے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ وہ مختلف رسوم الخط سے بھی کافی واقفیت رکھتا ہو۔ اور یہ معاملہ تو نہ صرف علماء بلکہ خاص علماء سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ سوچا جائے تو پھر ان حروف کا ان مسلمانوں کے لئے کیا فائدہ ہے جن کی آسانی اور سہولت کی خاطر انہیں نازل کیا گیا اور جن کی مشقت دور کرنے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لئے متعدد صورتوں کی اللہ تعالیٰ نے رخصت دی؟ اگر ہم اس قول کو مان لیں تو پھر ایسے اَن پڑھ مسلمان کس طور ان دقیق اور علمی وجوہات کو استعمال میں لا سکتے ہیں جو پڑھنے لکھنے سے بہرہ ور نہیں۔ اور کس طرح وہ ان تک پہنچ سکتے ہیں۔ اگر سبعہ حروف سے مراد یہی ہے جو یہ کہتے ہیں تو بلاشبہ یہ تو ان پر مزید مشقت ہے اور ان سے کسی ایک کو اختیار کرکے پڑھنا تو ان کے واسطے ازحد مشکل ہے اور یہ کیسا اختیار ہے' کیسی رخصت ہے۔؟

نبی اکرم ﷺ نے ان حروف کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ تمام حروف شافی اور کافی ہیں اور ان میں سے جس پر بھی جس پر بھی لوگ پڑھیں گے سو وہ درست ہی کریں گے۔ اس طرح آپ نے فرمایا کہ "آپ نے اللہ تعالیٰ سے خصوصی طور پر اس رخصت کو مانگا ہے تاکہ امت کے مختلف لوگوں کو اس رخصت اور آسانی سے فائدہ پہنچایا جاسکے۔ جن میں بوڑھے بھی ہیں' طویل العمر بھی' کم عمر اور اُدھیڑ عمر بھی اور ایسے لوگ بھی جنہیں کبھی لکھنے پڑھنے کا اتفاق ہی نہیں ہوا۔ ایک روایت میں "خادم" کے الفاظ بھی آئے ہیں کہ اس امت میں خدمت گزار بھی ہیں۔

جزری' رازی اور ابن قتیبہؒ سے ہم یہ پوچھ سکتے ہیں کہ ہمیں بتائیں کہ ایسے لوگ (جن کا ابھی ذکر ہوا ہے) کس طرح ان کی ذکر کردہ انواع اختلاف کو یا کسی ایک کو استعمال کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ اور کس طرح وہ ان پر قرآن کو پڑھ سکیں گے۔ اس میں ان کے لئے رخصت کا کون سا پہلو ہے اور ان کے لئے اس میں کس طرح سے آسانی اور تیسیر ہے۔

(iii) اس قول پر وارد ہونے والے اعتراضات میں سے تیسرا یہ ہے کہ ابن قتیبہ اور جزری نے سات انواع تغیر کو ذکر کرتے ہوئے اختلافِ لہجات کو تو ذکر بھی نہیں کیا باوجود اس کے وجوہِ اختلاف کے ضمن میں یہ وجہ بڑی اہم اور کثرت سے استعمال ہونے والی ہے۔ جیساکہ اوپر ذکر ہوچکا ہے۔

اس تجزیہ سے ہمارا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ ہم ان انواعِ تغیر کا انکار کرنے پر مُصر ہیں بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ان اصحابِ علم میں سے ہر ایک کی عبارت دوسرے سے حد درجہ مختلف و متغایر ہے۔ حالانکہ یہ سب علماء بڑی بحث و تمحیص' قرآن کے متعدد بار مطالعہ اور حد درجہ محنت و مشقت کے بعد اس مقام پر پہنچے کہ ان انواعِ اختلاف کو اخذ کرسکیں اور بعد میں ان کی تعیین کرسکیں۔ باوجود اس کے اس مسئلہ میں تینوں کی رائے مختلف ہے جن کی وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ ہر ایک نے دورانِ مطالعہ کسی خاص جہت کو ملحوظ رکھا اور دوسرے کے سامنے کوئی دوسرا پہلو موجود رہا ان تینوں میں سے عبارت میں باریک بینی اور زیادہ مشق و مہارت امام رازی کا خاصہ ہے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمارا اختلاف ان سے دراصل دو نوعیت کا ہے: پہلی بات تو یہ ہے کہ انہوں نے انواعِ تغایر کو بتکلف سات تک محدود کیا ہے تاکہ حدیث میں مذکور تعداد کی موافقت ہو جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ انہوں نے جن انواع کو سبعہ احرف کی تفسیر بنایا ہے اور بڑی مشقت سے حدیث کے مفہوم کی وضاحت کی کوشش کی ہے ان سے ہماری رائے مختلف ہے۔ ان آراء کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ انواع جن کو تینوں اہل علم نے ذکر کیا ہے ان میں دو تو ایسی ہیں جن پر ان کا اتفاق رائے ہے۔ اور ان کی عبارتیں ان کی وضاحت میں یکساں ہیں:

(i) تقدیم و تاخیر (ii) زیادتی و نقص

اس کے بعد ابن قتیبہ اور جزری کے اقوال کے مابین پانچ انواع ایسی پائی جاتی ہیں جن پر ان میں کافی حد تک اتفاق ہے۔ بلکہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جزری رحمہ اللہ نے انہیں ابنِ قتیبہ سے ہی نقل کردیا ہے اور ان میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہیں کیا۔

لیکن اس کے برعکس امام رازی کی ذکر کردہ انواع تغیر کی طرف جب ہم نظر کرتے ہیں تو وہ جزری اور ابن قتیبہ رحمہ اللہ کی آراء سے قدرے مختلف ہیں کیونکہ رازی کی ذکر کردہ انواع کے ضمن میں ان دونوں کی بیشتر انواع بھی آجاتی ہیں اور اس کے علاوہ مزید بھی۔ مثال کے طور پر رازی نے اپنے قول میں انواع تغیر سے تیسری اور چھٹی نوع اس کو قرار دیا ہے کہ

"(۳) اعراب کی وجوہ میں اختلاف..اور (۶) حروف کا قلب یا بعض حروف کا بعض دوسرے حروف سے ابدال، اسی طرح کلمات کی کلمات سے تبدیلی"

اس میں انہوں نے ان تمام قسم کی تبدیلیوں کو علی وجہِ العموم دو قسموں کے تحت ذکر کردیا ہے لیکن یہی دو اقسام باقی دو ائمہ کے اقوال میں پانچ اقسام میں منقسم ہیں اگرچہ انہوں نے پانچ اقسام بناتے ہوئے ان اختلافات کی تقسیم میں صورۃِ خطی، اختلافِ معنی اور کتابت میں اختلاف یا عدم اختلاف کو مدنظر رکھا ہے لیکن بہرحال مراد دونوں کی قریباً ایک ہی ہے۔ اس کی ایک اور مثال یوں بھی ہے کہ امام رازی نے پہلی اور دوسری نوع کے تحت اوزانِ اسماء میں پیش آنے والے اختلافات اور تصریف افعال میں ہونے والے اختلافات کو ذکر کیا ہے جبکہ معمولی سے غور و فکر کے بعد باقی دو حضرات کی ذکر کردہ پہلی پانچ انواع کے ضمن میں یہ دونوں انواع بھی آسکتی ہیں۔ فرق صرف اسی قدر ہے کہ جن زاویوں اور جہات سے امام رازی نے اختلافات کی حد بندی کی ہے جزری اور ابن قتیبہ کی تقسیم ان زاویوں سے ہٹ کر کچھ اور چیزوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کی گئی ہے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان سب باتوں کے باوجود ایک نوع ایسی بھی ہے جو صرف امام رازی نے ذکر کی ہے اور باقی دو اس کی طرف متوجہ نہیں ہو پائے اور وہ نوع ہے "اختلافِ لہجات" کی اور جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ یہی نوع اس بحث میں اہم تر ہے۔

ان تینوں اقوال کا اہم نتیجہ برآمد کرنا چاہیں تو مختصراً تمام انواع کو کم از کم دس انواعِ تغیر میں تقسیم کرسکتے ہیں کہ وہ تمام صورتیں جو کلمات میں اختلاف کے ضمن میں آتی ہیں اور ان اقوال سے ثابت ہوتی ہیں، کل دس بن سکتی ہیں۔ لیکن اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ آئندہ کوئی اور صاحبِ علم مزید بحث و استقراء کے بعد اس تعداد میں اضافہ نہیں کرے گا۔

چنانچہ اس معارضہ سے یہ اَمر ثابت شدہ ہے کہ ان تینوں بزرگ اصحابِ علم کی انواعِ تغایر و اختلاف کی تعیین اور ان کو کھینچ تان کر سات حروف کے ضمن میں لانا بے جا تکلف اور مشقت کے سوا کچھ نہیں۔

حتی کہ جب ان کی جدوجہد اور کوشش کے بعد حاصل شدہ انواع کے نتیجے پر پہنچتے ہیں جس کو انہوں نے حدیث کی مراد تصور کیا ہے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سبعہ احرف فی ذاتہا کچھ اور ہیں اور اس میں انواعِ اختلاف ایک بالکل مختلف چیز! اور اس مقام پر پہنچ کر یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ یہ تمام وہ صورتیں ہیں جو کلمات کے مابین تغایر اور اختلاف کے ضمن میں آتی ہیں نہ کہ حروفِ سبعہ کے مابین اختلاف میں۔

اور ایسا بھی ممکن ہے کہ اس تمام بحث کا خلاصہ ان تین نکات میں نکال لیا جائے کہ اختلاف کی تین ہی صورتیں ہیں:

(۱) جس میں لفظ مختلف ہو جائیں اور معنی ایک رہے۔ اس صورت کو لغت میں "الترادف" سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مثلاً "هلم" کی جگہ "تعال" اور "اقبل"۔

(۲) جس میں معنی اور لفظ دونوں مختلف ہو جائیں لیکن یہ اختلاف تضاد کی نوعیت کا نہ ہو، تنوّع کی قبیل سے ہو۔ جس طرح قَالَ اور قُلْ، بَاعِدْ اور بَاعَدَ، مَالِكِ اور مَلِكِ، أَوْصَى اور وَصَّى۔

(۳) لہجات میں اختلاف یعنی کسی لفظ کی ادا میں تبدیلی اصل لفظ اور معنی کی بقا کے ساتھ۔ مثال کے طور پر کسی کو جھکا کر یا سیدھا پڑھنا، مد اور قصر، ادغام اور عدمِ ادغام اسی طرح نرمی سے یا جھٹکا دے کر پڑھنا۔

یہاں اختلاف کی ایک قسم اور بھی ہو سکتی ہے کہ بعض اوقات کسی کلام میں تبدیلی لفظ اور معنی کے اختلاف کے ساتھ ساتھ تناقض اور تضاد کی قبیل سے ہوتی ہے۔ سو یہ صورت قرآن کریم میں نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ اس کی موجودگی قرآن میں خلل اور اضطراب و شک کو لازم کرتی ہے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حالانکہ قرآن اس سے یکسر منزہ ہے۔ ارشاد باری ہے:

"قرآن میں باطل نہ آگے سے داخل ہو سکتا ہے اور نہ ہی پیچھے سے اور یہ اللہ رب العزت حکمت والے کی نازل کردہ (کتاب) ہے[19]۔" ایک اور مقام پر یہ الفاظ ہیں: "اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف[20] سے ہوتا تو لوگ اس میں جابجا اختلافات اور تناقض[21] پاتے"۔

ان دونوں آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن میں خلل اور تناقض و تضاد کی سرے سے گنجائش ہی نہیں۔

حروفِ سبعہ سے مراد کیا ہے؟

یہاں تک ذکر ہونے والی پوری بحث اور معارضات سے قاری کے ذہن میں از خود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ سارے اقوال ہی درست نہیں تو پھر احرفِ سبعہ سے مراد کیا ہے اور اس کی ایسی کیا تفسیر کی جائے کہ نفس کو قرار اور دل کو اطمینان نصیب ہو جائے۔ اس سے پہلے کہ ہم آپ کے ذہن میں پیدا ہونے والے اس سوال کا جواب دیں۔ ہم اس بات کو دہرانا چاہتے ہیں جو حروف سبعہ سے متعلقہ بے شمار احادیث کے ذکر کے وقت ہم نے کہی تھی اور جیساکہ آپ ملاحظہ کرچکے ہیں کہ ہم نے اس کے جملہ طُرق اور سند و متن میں الفاظ و صحت کے حوالے سے تفصیلی گفتگو کی ہے لیکن اس سب کچھ کے باوجود ہمیں ان تمام سے کوئی بھی ایسی صریح عبارت دستیاب نہیں ہو سکی جو سبعہ احرف کے مراد اور مفہوم کو متعین کردے۔ چنانچہ سبعہ احرف کا مفہوم اور مراد کیا ہے' یہ ابھی تک واضح نہیں ہو سکا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ ضرورت اور حاجت کے وقت اس کی وضاحت کو موخر نہیں فرمایا کرتا۔ سو اُمت نہ صرف اس کی حقیقت معلوم کرنے کی محتاج ہے تاکہ اس پر قراءت کرسکے بلکہ اس رخصت سے فائدہ اٹھانے کی بھی ضرورت مند ہے۔

لیکن کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ جُملہ احادیث اور منقول آثار کسی ایسی واضح تر عبارت سے خالی ہوں جو ہمارے لئے مفہوم کو واضح اور مشکل کو آسان کردے اور کیا وجہ ہے کہ صحابہ کرام نے بھی نبی اکرم ﷺ سے سبعہ احرف کی بابت کچھ سوال کرنا گوارا نہ کیا اور نہ ہی ہماری طرف اس کی وضاحت اور تفسیر نقل کی۔

---

(۱۹) فصلت / ۴۲

(۲۰) النساء / ۸۲

(۲۱) انظر النشر (۱/ ۴۹)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سو ہمارے خیال میں اس کی وجہ دو صورتوں سے خالی نہیں ہو سکتی:

(i) یا تو یہ ایسے کلمات ہیں جن کی مراد معین ہے، جو وضاحت و تفسیر کے محتاج نہیں بلکہ ان کی تفسیر کے بارے میں سوال کرنا تو عین دوپہر کے وقت سورج کے متعلق سوال کرنے کے مترادف ہے۔ یہی وجہ ہو سکتی ہے اس بات کی کہ کسی نے بھی نبی اکرم ﷺ سے اس کے متعلق کوئی بھی سوال کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اور ہر ایک اس کے مفہوم سے بخوبی واقف تھا۔ اسی سبب کی بناء پر صحابہ سے اس مضمون کی کوئی حدیث منقول نہیں کہ ان سے اس کے بارے میں پوچھا گیا یا انہوں نے خود سوال کیا اور اس سوال کا جواب پالینے پر دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دی۔

(ii) اگر یہ صورت نہیں تو پھر دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ سبعہ احرف کی تفسیر اس وجہ سے نہیں کی گئی کہ ان کا معنی غیر واضح تھا یا ان کی تفسیر از حد صعب تھی اور ان کی شرح میں مشکلات درپیش تھیں یا پھر ابھی ان کی حقیقت بیان کرنے کا وقت نہیں آیا تھا کیونکہ ان کی بے شمار اقسام اور فروع کی وجہ سے صحابہ کرام کو سمجھنے میں مشقت کا سامنا ہوتا۔ جبکہ اِن کا فہم، وسیع مطالعہ اور غور و فکر سے حاصل ہو سکتا تھا اور ان کی حقیقت کے ادراک کے لئے بحث و نظر کی وسیع منازل طے کرنا لازمی تھیں۔

سبعہ احرف کی حقیقت ہم تک منقول نہ ہونے کی یہی دو وجوہات ہو سکتی ہیں جن میں سے دوسری صورت تو قطعاً باطل ہے جس طرح کہ ہم پہلے معارضات سے ثابت کر چکے ہیں کہ صحابہ اس کا خاطر خواہ علم رکھتے تھے اور یہ بات بھی ضروریاتِ دین سے ہے کہ امت کو اس کا علم ہونا چاہئے تاکہ اس رخصت کی حکمت خوب اچھی طرح ثابت ہو جائے اور ان احرفِ سبعہ پر عمل درآمد ہو سکے۔ اسی طرح اس بات کو بھی کوئی سلیم العقل درست نہیں قرار دے سکتا کہ ہم یہ دعویٰ کریں کہ امت کے اولین طبقہ یعنی صحابہ و تابعین سے اس کی حقیقت چھپی ہوئی تھی باوجودیکہ وہ امت کے سب سے زیادہ صاحبِ علم، گہرے فہم کے حامل اور دین کے ماہر تھے۔ پھر بعد میں آنے والے بے شمار سالوں میں اس کی حقیقت منکشف ہوتی گئی۔ چنانچہ ان دونوں صورتوں میں پہلی وجہ ہی قابل قبول ہے کیونکہ وہی صورتِ دین کے قریب تر ہے کہ صحابہ کرام نے اس کے بارے میں نبی اکرم سے سوال دراصل اس لئے نہیں کیا کہ احرفِ سبعہ کی تفسیر اور وضاحت ان کو معلوم تھی اور وہ اس کے مفہوم کو سمجھنے کے محتاج نہ تھے۔ کیونکہ ان کے ذہن میں اگر کوئی اشکال پیدا ہوتا تو وہ سب سے پہلے نبی اکرم سے پوچھنے کی کوشش کرتے جیسا کہ قرآءت کے ضمن میں ہی جب انہوں نے کسی اور قاری کی مختلف انداز پر قرآءت سنی تو قرآن میں اختلاف اور اضطراب

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے واقع ہو جانے کے ڈر سے انہوں نے فوری طور پر رجوع کیا اور نبی اکرم کے پاس آنے سے قبل ان کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ مختلف قراء کا یہ اختلاف قرآن میں تغایر اور اختلاف کا موجب ہے اور اس سے قرآن میں خلل اور تناقض کا اندیشہ ہے حتی کہ یہ معاملہ یہاں تک پہنچا کہ بعض نے تو پڑھنے والے کے منہ سے یہ الفاظ سننے پر کہ "هٰذَا كَمَا أَقْرَأَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ" آپ کی ذات کے بارے میں بھی شک کیا اور شیطان ان پر غالب آنے لگا۔ لیکن نبی اکرم ﷺ سے سوال کرنے پر جب انہوں نے آپ کو بنفسہٖ مختلف قرآءات پر تلاوت کرتے ہوئے پایا تو ان کے ذہنوں سے شیطانی وساوس اور شکوک رفع ہو گئے اور نبی اکرم ﷺ نے درج ذیل دو امور کے ذریعے ان کے ذہن میں کلبلاتے سوالوں کو دبا دیا:

امر اول: انہیں نئی رخصت اور جدید حروف سے مطلع کیا اور فرمایا کہ یہ تمام وجوہِ قرآءات مُنزّل مِن اللہ اور کافی و شافی ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن ہی ہیں۔

ثانی: ان وجوہ کے ذریعے پیدا ہونے والے اختلاف کی نوعیت واضح کر دی اور ان کے ذہنوں کو اس نوع تغیر سے مانوس کرنے کے لئے مثال دے کر واضح کیا کہ یہ تغیر تناقض و تضاد کی قبیل سے نہیں بلکہ تنوع اور زیادتی معنی کی قسم سے ہے۔

قوی امید ہے کہ اب آپ ہمارا مدعا اور مقصد بخوبی سمجھ چکے ہوں گے جو ہم سبعہ احرف کے ضمن میں رکھتے ہیں لیکن ہم چاہتے ہیں کہ اس مفہوم کو محدود الفاظ میں اس طرح سمیٹ دیں تاکہ یہ تمام بات باسانی سمجھ میں آسکے۔ سو سبعہ احرف کا مفہوم یہ ہے کہ:

احرفِ سبعہ: "قرآءت کی وہ متعدد وجوہ ہیں جو باہم مختلف ہیں۔ اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہیں اور قاری کے لئے جائز ہے کہ ان میں سے کسی ایک وجہ پر قرآن کی تلاوت کرے اور اس کی یہ تلاوت قرآن کی تلاوت ہی سمجھی جائے گی۔ سبعہ کے عدد سے مراد یہ ہے کہ وجوہِ قرآءت (جو کہ منزل من اللہ ہیں) قرآن کے کسی ایک کلمہ میں اختلاف و تغیر کی انواع میں سے کسی ایک نوع کے ضمن میں زیادہ سے زیادہ سات تک ہو سکتی ہیں۔ اسی طرح یہ بات لازمی نہیں کہ قرآن میں ہر جگہ پر تعداد سات ہی ہو۔ بلکہ لازمی یہ ہے کہ بعض جگہ کم تو ہو سکتی ہے لیکن کسی بھی جگہ زیادہ سے زیادہ ایک کلمہ میں تبدیلی کی سات انواع ہی ہو سکتی ہیں"

اس موقعہ پر آپ یہ سوال بھی کر سکتے ہیں کہ سبعہ احرف کی اس تشریح و توضیح سے کیا ثابت ہوتا ہے اور اس مفہوم کے اخذ کر لینے کی دلیل کیا ہے اسی طرح علماءِ سابقین میں سے کس نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اس قول کو کس امام نے اختیار کیا ہے تو ہماری تحقیق کے مطابق ان تمام اقوال سے جو کہ سبعہ احرف کی تحقیق کے ضمن میں ائمہ سے منقول ہیں ایسا قول تو کوئی بھی نہیں جو ہمارے قول کے حرف بحرف موافق ہو اور اس کی جزئیات و تفصیلات بھی ہمارے قول سے مشابہ ہوں۔ مگر اکثر علماء کے کلام پر بحث واستقراء کے نتیجے میں ہمیں ایسے کلمات ملتے ہیں جو ایک ہی مقام پر منظم طور سے تو موجود نہیں (بلکہ متعدد مقامات پر بکھرے ہوئے ہیں) لیکن وہ کلمات ہمارے اس قول کو ثابت کرتے ہیں جس کو اس بحث کی ابتداء میں ذکر کردہ طریقہ کے مطابق ہم نے دلائل و براہینِ شرعیہ اور نصوصِ الٰہیہ پر پیش کرکے اپنایا ہے۔

○ بطورِ مثال امام سیوطی نے اس قول کے کچھ اجزاء کو اختیار کیا ہے (اور سیوطی وہ شخص ہیں جنہوں نے اس حدیث کی تحقیق میں بڑی وضاحت سے کلام کی ہے) چنانچہ انہوں نے اپنی تحقیق کے دوران اُن دو جہات کو بھی اقوال میں شمار کیا ہے جن کو ہم نے ترجیح دی ہے اور سیوطی نے اس قول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس قول پر کسی قسم کی تنقید نہیں کی۔ سیوطی کا اپنی کتاب الاتقان میں یہ اشارہ مندرجہ ذیل دو اقوال کے تحت موجود ہے[22]۔ لہٰذا آپ کہتے ہیں کہ

> سبعہ احرف کے بارے میں تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد سبع قرآءات ہیں۔ قرآن مجید میں وہ کلمات جن میں ساتوں وجوہ پڑھنا ممکن ہے کی تعداد بہت کم ہے۔ مثال کے طور پر ﴿ عَبَدَ الطَّاغُوتَ ﴾ اور ﴿ فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ ﴾ ایسے کلمات ہیں جن میں ساتوں وجوہ ممکن ہیں۔
>
> چوتھا قول یہ ہے کہ: ہر کلمہ میں ایک' دو یا تین اور زیادہ سے زیادہ سات تک وجوہ کی تلاوت ممکن ہے لیکن اس پر تنقید کی گئی ہے کہ بعض کلمات ایسے ہیں جن میں سات سے زیادہ قرآءات بھی پڑھی گئی ہیں لہٰذا لازمی ہے کہ اس کی کوئی توجیہ کرلی جائے۔"

● ایسے علماء جن کے کلام سے ہمارے قول کے قریب اشارات ملتے ہیں ان میں حافظ ابن حجر عسقلانی بھی ہیں اور آپ کی بحث سبعہ احرف کی تحقیق و تفسیر کے ضمن میں لکھی جانے والی چند ایک مثالی تحریروں میں سے ایک ہے۔ سو آپ نے اپنی رائے فتح الباری[23] میں ان الفاظ سے

(۲۲) الاتقان: (۱/۱۳۵)

(۲۳) الفتح: (۹/۲۳)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شروع کی ہے کہ

"باب ہے اس بات کا کہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے: یعنی قرآن کا نزول سات وجوہ پر ہوا ہے جن میں سے ہر ایک پر تلاوت کرنا جائز ہے لیکن اس سے یہ مراد نہیں کہ قرآن کا ہر کلمہ سات وجوہ پر پڑھنا جائز ہو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کسی کلمہ میں بھی قرآءت کی زیادہ سے زیادہ صورتیں سات ہو سکتی ہیں"

● یہ بات کہ لازمی نہیں ہر کلمہ یا آیت قرآن سات وجوہ پر ہی نازل ہوئی ہے۔اس کو ابو عبید القاسم بن سلام نے "فضائل القرآن" میں، ابن قتیبہ اور جزری نے "نشر" میں، اسی طرح ابوالفضل رازی، بیہقی اور ابو حاتم السجستانی نے اختیار کیا ہے۔ میرے علم کی حد تک اس بات کا محققین میں سے کوئی بھی مخالف نہیں ماسوائے اس کے جو ابنِ جریر کی کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کہا

"قرآن کا ہر ہر کلمہ سات وجوہ کے ساتھ پڑھا جاتا تھا اس طرح کہ سات وجوہ میں ایسے مترادف الفاظ استعمال ہوتے تھے جو مختلف زبانوں سے متعلقہ لیکن مفہوم میں یکساں ہوتے"

سو ابنِ جریر کا یہ قول شاذ ہے اور کسی دلیل کے نہ ہونے کی وجہ سے مردود بھی۔

● جہاں تک احرف یا وجوہ کی سات کے عدد سے تحدید کا تعلق ہے تو اس کی بھی قاضی عیاض کے ماسوا کسی محقق اہل علم نے تردید نہیں کی۔ قاضی عیاض کا شرح مسلم میں یہ قول موجود ہے کہ:

"سبعہ احرف سے دراصل صحابہ کو قرآءت بالمعنی کی رخصت دی گئی تھی اور "سبعہ" کے لفظ سے کوئی تحدید نہیں بلکہ زیادتی مراد ہے لہٰذا قرآءت بالمعنی میں وجوہ کی کوئی حد بندی نہیں"۔

سو آپ کا قول بھی دو وجوہات کی بناء پر قابل رد ہے: پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اس میں قرآءت بالمعنی کی اجازت اور اس کو مشروع بتایا گیا ہے۔ دوسری یہ کہ صحابہ پڑھائی ہوئی وجوہ کے ماسوا دوسری ہم معنی وجوہ پر بھی قرآءت کرسکتے تھے۔ جبکہ یہ دونوں باتیں ایسی ہیں جو قطعاً علم وعقل کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتیں۔ (اور ان دونوں نظریات کی مفصل تردید بھی گزر چکی ہے)۔

ان معروضات سے یہ ثابت ہوا کہ ہم نے سبعہ احرف کی تعریف اپنے پاس سے نہیں کرلی یا یہ کوئی ایسی مراد نہیں جو کہ آج سے پہلے کسی نے اختیار نہ کی ہو اور سلف میں کوئی اس کا قائل نہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو بلکہ واقعہ یہ ہے کہ سلف محققین پہلے بھی اس قول کو اختیار کرتے رہے لیکن بایں طور کہ ایک مقام پر یہ قول اس طرح کہیں کسی سے منقول نہیں بلکہ متفرق مقامات پر بکھری ہوئی صورت میں موجود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قول اور اس کی جزئیات کو کسی بھی مصنف نے جمع نہیں کیا بلکہ ہر ایک نے اس تفسیر کا کوئی جز اختیار کیا ہے اور کوئی پہلو پکڑا ہے۔ الغرض کسی امام یا محقق نے اس قول کو ایسی مکمل صورت میں نہیں اختیار کیا جس سے مسئلہ حل ہو جاتا اور اس قضیہ کا فیصلہ ہو جاتا بلکہ ہر ایک نے اس میں غور و فکر کے بعد اس کے بعض پہلوؤں کو ہی نقل کیا ہے۔

جہاں تک قرطبی کا سبعہ احرف کے بارے میں آرا جمع کرنے[24] اور سیوطی کا مختلف[25] اقوال ذکر کر دینے کا تعلق ہے تو قرطبی اور سیوطی کے اس کام سے مسئلہ کی تحقیق میں کوئی پیش رفت نہیں ہوئی، نہ ہی سبعہ احرف کی تعیین میں اس سے کوئی اہم مدد ملی۔ کیونکہ انہوں نے صرف ان اقوال و آراء کے ذکر پر ہی اکتفا کیا اور مختلف اقوال پر تنقید و تبصرہ کے بعد قولِ راجح کو دلائل سے ثابت نہیں کیا۔

ہمارے اس قول پر مزید ایسے دلائل کونسے ہیں جن سے مزید اطمینان حاصل ہو سکے؟ اس کے لئے اب ہم اپنے قول پر جزء اجزء انبی اکرم کے کلام اور قرآن کی ثابت شدہ قراءات سے استدلال کریں گے۔

① ہمارا قول کہ سبعہ احرف "قراءت کی ایسی وجوہ ہیں، جو کہ متغایر اور متعدد ہیں اور سب کی سب اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں"

اس قول میں اولاً "حرف" کے بے شمار معانی میں سے ایک معنی "وجہ" کو ترجیح دی گئی ہے اور ہم نے احرف کی تفسیر وجہ یا وجوہ سے کی ہے کیونکہ جب ہم حدیث کے الفاظ کا بغور جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ احرف کے معنی میں صرف اور صرف یہی تاویل درست ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد ہم نے "وجوہ" کی چار صفات ذکر کی ہیں جن میں سب سے پہلی "متعددۃ" ہے۔ کہ یہ وجوہ متعدد ہیں۔ اس صفت کے ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ پہلی کتب اور قرآن کا ابتدائے نزول جس طرح ایک وجہ پر ہوا تھا اس طرح اب ان وجوہ کے نازل ہونے کے بعد قرآن ایک وجہ پر نہیں رہا بلکہ متعدد وجوہ پر ہو گیا ہے۔

وجوہ کی دوسری صفت ہے "متغایرہ" .... اس لفظ کے ساتھ وجوہ میں پائے جانے والے

(۲۴) تفسیر القرطبی: (۱/۴۲)

(۲۵) الاتقان: (۱/۱۳۱- ۱۴۲)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان اختلافات کی طرف اشارہ مقصود ہے جو ان دو صورتوں میں سے کوئی ایک ہو سکتے ہیں:

(الف) اتفاقِ معنی کے ساتھ صرف الفاظ میں تبدیلی

(ب) یا الفاظ اور معانی دونوں میں تبدیلی

وجوہ کی اس صفت کے ساتھ دراصل ابن جریر کے اس قول کی تردید بھی مقصود ہے کہ جس میں انہوں نے انواعِ اختلاف کو صرف اور صرف "ترادُف" میں محصور کردیا ہے۔ وجہ اس صفت کے ساتھ مقید کرنے کی یہ ہے کہ مختلف احادیث میں یہ مضمون موجود ہے کہ "جب کبار صحابہ اور علم و تفقہ اور علومِ قرآنی میں ممتاز اصحابِ رسول (مثلاً عمر بن خطاب اور اُبی بن کعب) نے کچھ لوگوں کو مختلف وجوہ پر قراءت کرتے ہوئے سنا اور بعد میں ان لوگوں کی نبی اکرم ﷺ نے تصدیق بھی کردی تو پہلے پہل ان صحابہ کو اس امر کے قبول کرلینے میں تذبذب کا سامنا ہوا اور وہ فوری طور پر اس کے قبول کرلینے پر اپنے آپ کو آمادہ نہ کرسکے بلکہ بعض کے دل میں شک اور انکار کی سی کیفیت پیدا ہوگئی جس کو بعد میں نبی اکرم ﷺ نے بڑی حکمت سے رفع کردیا"

چنانچہ ان احادیث کا یہ مضمون اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان وجوہِ متغایرہ میں یہ فرق خفیف اور معمولی نوعیت کا نہیں تھا بلکہ ان وجوہ کے ذریعے ایسا واضح فرق رونما ہوا تھا جن سے ایسے اصحابہ جو آپ پر ایمان و ایقان کی دولت سے مالا مال تھے کے ذہنوں نے بھی فوری طور پر اس فرق کو قبول کرنے میں پس و پیش کی۔

میرا یہ خیال نہیں کہ اگر وجوہ کے ساتھ پیدا ہونے والے اختلاف کی نوعیت فقط بعض الفاظ کی جگہ دوسرے مترادف الفاظ ادا کردینے تک محدود تھی (مثلاً ھَلُمَّ کی جگہ تَعَالَ اور اِلَیْنَا کی جگہ اَقْبِلْ) تو صحابہ کو اس کے قبول میں اس قدر مشکل پیش نہ آتی۔ لہٰذا صحابہ کا ان وجوہ کی سماعت کے بعد اس حد تک پریشان ہوجانا اس بات پر دالّ ہے کہ یہ تغایر صرف اور صرف ترادف ہی نہ تھا بلکہ اس میں اختلاف کی اور بھی صورتیں موجود تھیں جیسا کہ بعد میں واضح کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ

وجوہ کی تیسری صفت یہ ہے کہ "یہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہیں"۔ اس قید کو لگا دینے سے ایسے اہل علم کی تردید مقصود ہے جن کا زعم یہ ہے کہ وجوہ کی یہ رخصت مستقل وجوہ کی صورت میں نہیں بلکہ صرف اس حد تک ہے کہ لوگوں کو الفاظِ قرآنی میں آسانی کی غرض سے تصرف کی اجازت دی گئی ہے اور وہ اپنی مرضی سے جو چاہیں تلاوت کرسکتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کوئی مستقل وجوہ نہیں جن کی پابندی بہر طور لازمی ہو۔ جبکہ اس قول کی تردید

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ہمارا مؤقف یہ ہے کہ یہ وجوہ صرف اور صرف اللہ کی نازل کردہ ہی ہے جن کو جبریل علیہ السلام، نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو سکھایا کرتے اور آپ کو خود اس کی حفاظت کرواتے حتی کہ آپ ﷺ خود اس کی حفاظت کے قابل ہو جاتے۔

بعد ازاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خود بنفسِ نفیس صحابہ کو ان کی تعلیم دیتے، سکھاتے اور ہر صحابی کو اس کے حالات و ظروف کی روشنی میں، اس کی استعداد اور طاقت، زبان اور لہجہ کو مدنظر رکھتے ہوئے (آپ جس وجہ کو مناسب سمجھتے) اس کی تلاوت کا اختیار دیتے۔

وجوہ کا چوتھا وصف جو ہم نے بیان کیا ہے، "وُجُوْہٌ مِنَ الْقِرَاءَۃِ" ہے۔ یعنی ان سب وجوہ کا تعلق قرآءت کے ساتھ ہے۔ اور ان میں باہمی اختلاف قرآءت کے ضمن میں ہی ہے۔ کیونکہ حدیث میں آپ ﷺ کے یہ الفاظ بصراحت موجود ہیں کہ "مجھے جبریل نے ایک حرف پر پڑھایا۔ پھر......" اسی طرح جبریل سے نقل کرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالی آپ کو حکم فرماتے ہیں کہ اپنی امت کو سات حروف پر قرآن پڑھائیں......الخ"۔ بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "آپ کی امت سات حروف میں سے کسی ایک پر قرآن کی تلاوت کرے" مزید بر آں آپ ﷺ نے احرف کے ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ "ان سے جو تمہیں آسان معلوم ہو اس پر پڑھو" اور "جس حرف پر بھی یہ تلاوت کریں تو خیر کو اور حق کو ہی پہنچیں گے۔"

مذکورہ بالا تمام احادیث میں سبعہ احرف کو پڑھنے اور تلاوت کرنے کا حکم ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا تعلق لازماً پڑھنے سے ہی ہے۔ چنانچہ وجوہ کو قرآءت سے مقید کرنے والی متعدد احادیث بھی کتب میں موجود ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں یہ الفاظ ہیں: "میں نے ہشام بن حکیم کو سنا کہ وہ سورہ فرقان کی ایسے حروف (وجوہ) پر تلاوت کر رہے تھے جو کہ نبی اکرم نے مجھے نہیں پڑھائے تھے" اسی طرح اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ "میں مسجد میں تھا کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا اور نماز شروع کر دی۔ سو اس نے ایسے طریقے پر قرآءت کی جس کا میں نے اس پر انکار کیا۔ پھر دوسرا شخص داخل ہوا اور اس نے پہلے سے بھی مختلف قرآءت کی.... الخ"۔

چنانچہ یہ تمام الفاظ اس بارے میں صریح ہیں کہ احرف کا لازمی تعلق قرآءت سے ہی ہے۔ جس طرح کہ ابی بن کعب نے احرف کو "قرآءات" سے بھی تعبیر کیا ہے۔ اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ ہمیں ایسی کوئی روایت مل نہیں سکی جو اس امر کو ثابت کرتی ہو کہ احرف کا تعلق وجوہِ قرآءت کے ماسوا سے ہے۔ اسی طرح ایسی بھی کوئی روایت نہیں جو وجوہ کو قرآءت کے ساتھ مقید

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے پر مزید کسی قید کا تقاضا کرے۔ اس قید پر سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ احرف کے نزول کی وجہ اور بنیادی حکمت کا بھی یہی تقاضا ہے کہ اس کا تعلق قرآءت سے ہو۔ لہٰذا سبعہ احرف کو اس مفہوم سے بدل کر کسی دوسرے مفہوم میں ڈھالنے کی کوششیں بے جا تصرف اور بلا دلیل من مانی کے زمرے میں آتی ہیں۔

احرف کی یہی تفسیر رخصت کے لحاظ سے زیادہ قابل قبول ہے۔کیونکہ اصل مشقت تو قرآءت میں ہی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے قرآءت کی مختلف وجوہ (منزلہ) کی اجازت عطا کردی اور مکلف کو ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کی اجازت دی کہ اس کی زبان پر جو وجہ بسہولت ادا ہوسکے اور اس کے لہجہ اور لغت کے مطابق ہو اس کو اختیار کرلے۔ سو یہی وہ اختیار ہے جس کا شارع حکیم نے امت کے لئے ارادہ کیا ہے۔

وجوہ میں اس تعدد کی وجہ سے معانی میں اختلاف یا زیادتی کی قسم کا جو اثر مرتب ہوتا ہے‘ اس طرح کلام میں اغراض و مقاصد کے لحاظ سے جو تبدیلیاں پیش آتی ہیں اور انواع تغایر و اختلاف میں جو کچھ رونما ہوتا ہے‘ اسی طرح اِن سبعہ احرف کے ذریعہ اعجاز اور اسرار بلاغت کا جو انکشاف ہوتا ہے اور عرب کی فصیح لغات سے جس قدر آشنائی اور ان کے کلام سے آگاہی حاصل ہوتی ہے‘... تو

مذکورہ بالا تمام اصناف ‘اس سے حاصل ہونے والے فوائد اور ان کی اقسام کو ہم سبعہ احرف کی ذیلی بحثوں میں شمار کرتے ہیں۔ ان کا اس کے مفہوم کے ادراک اور اس کی تفسیر کی بحث اور اس سے مراد کی جستجو سے کوئی اہم تعلق نہیں بلکہ یہ تمام چیزیں اس کے مفہوم اور تفسیر کو سمجھنے میں ایک خارجی حیثیت رکھتی ہیں۔

②: سبعہ احرف کی توضیح کے ضمن میں ہم نے ان الفاظ کو ذکر کیا تھا کہ "ان متعدد و متغایر وجوہ میں سے کسی ایک پر بھی قرآن کی تلاوت ہوسکتی ہے اور اس تلاوت کی مثال بعینہٖ وہی ہے جیسا کہ کوئی منزل قرآن کی تلاوت کرے۔" یہ بات نبی اکرم کے اس قول[26] سے مترشح ہوتی ہے کہ آپ نے فرمایا: "ان میں سے جس پر بھی تم قرآءت کروگے تو حق و صواب کو ہی پاؤ گے" یعنی قرآن مجید کو ہی۔ اس مفہوم کے اخذ پر آپ کا ایک قول[27] بالکل صریح بھی ہے "کہ جس نے ان حروف سے کسی ایک پر پڑھا تو گویا اس نے قرآن پر ہی تلاوت کی" یعنی اس نے قرآن ہی تلاوت

(۲۶) ابی بن کعب کی دوسری حدیث صفحہ ۴۴ (محدث جلد ۲۳‘ شمارہ ۴)

(۲۷) حضرت ابی کی حدیث بروایت جریر صفحہ ۴۶ (محدث جلد ۲۳‘ شمارہ ۴)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہ الفاظ مروی ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ "جو آدمی کسی ایک حرف پر تلاوت کرتا ہو تو اسے چاہئے کہ اس کو اس سے بے رغبتی کرتے ہوئے ترک نہ کرے اسی طرح ایسا شخص جو نبی اکرم کے سکھائے ہوئے حروف میں کسی اور پر قرآءت کرتا ہو تو وہ بھی اس کو ہرگز بے رغبتی سے ترک نہ کرے کیونکہ جس کسی نے بھی قرآن کے ایک حصہ (آیت) کا انکار کیا گویا وہ پورے قرآن کے انکار کا مرتکب ہوا۔"[28]

چنانچہ یہ تمام نازل شدہ وجوہ قرآن ہی ہیں اور سب ہی شافی و کافی ہیں اور ان وجوہ کے مابین کسی قسم کا امتیاز یا ترجیح رَوا رکھنا قرآن سے دوری ہے کیونکہ ان وجوہ کے مجموعہ پر ہی قرآن قائم ہے یعنی ان سب کو ملا کر ہی قرآن کریم متکوّن ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مصاحف کی کتابت کے وقت حضرت عثمان نے اس بات کی شدید خواہش کی کہ تمام وجوہ کو ہر ہر کلمہ میں جمع کردیا جائے یعنی ایک ہی مصحف میں تمام وُجوہ یکجا ہو جائیں تاکہ بعد میں آنے والے کسی اُمتی کو ان میں سے بعض کو بعض وجوہ پر ترجیح دینے اور امتیاز روا رکھنے کا وہم بھی نہ ہو۔

③: ہمارا یہ قول کہ "سبعہ احرف میں لفظ سبعہ سے عدد ہی مراد ہے" کی وجہ مختلف حدیث کے الفاظ ہیں کیونکہ احادیث میں سات کے عدد کی صراحت ہے۔ بلکہ تمام احادیث کے راوی حدیث کے اس جزء (عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ) پر مکمل طور سے متفق ہیں۔ اسی بناء پر یہ الفاظِ حدیث متواتر لفظی کا مقام رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں سات کے عدد کی تحدید پر اور بھی دلائل ہیں جن میں سے ایک تو یہ ہے کہ ابنِ عباس کی حدیث کے مطابق ان حروف کی تعداد درجہ بدرجہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑھائی گئی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ "مجھے جبریل نے ایک حرف پر قرآن پڑھایا میں ہمیشہ اس سے حروف میں زیادتی کا خواہشمند رہا اور وہ بھی اس میں اضافہ کرتے رہے (حکمِ الٰہی کے ساتھ) حتی کہ یہ اضافہ سات حروف تک جا پہنچا"

حضرت اُبی بن کعب کی حدیث میں اس سے مزید وضاحت اور تفصیل موجود ہے کہ "اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتے ہیں کہ اپنی امت کو ایک حرف پر قرآن سکھایئے تو آپ سے میں نے زیادتی کا مطالبہ کیا تاکہ امت کیلئے آسانی ہو...... الخ (دیکھئے حضرت اُبی بن کعب کی احادیث کے ضمن میں)

چنانچہ ان احادیث کی روشنی میں (کہ جب درجہ بدرجہ اِضافے کا سوال کیا جارہا ہو) سبعہ احرف سے تحدیدِ عدد مراد نہ لینے کی کوئی وجہ بھی نہیں ہے اور تحدید مراد نہ لینے کی صورت میں تمام تدرّج بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔

---

(۲۸) حدیث ابن مسعود (مسند احمد)، (ابن جریر) پہلے گزر چکی ہے۔ (ص: ۵۳)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ نبی اکرم ﷺ کا ایک مرتبہ' دوسری مرتبہ پھر تیسری مرتبہ مسلسل مطالبہ کرتے رہنا اور بار بار بارگاہِ الٰہی میں مراجعت کرنا وغیرہ سب کے سب مکمل طور پر اس امر پر دالّ ہیں کہ سبعہ احرف میں سبعہ سے تحدید ہی مراد ہو۔

محققین میں سے بعض حاذق علماء نے عدد کی تحدید اور تقیید کرنے والی عبارت (علی سبعة احرف) سے ایک لطیف نکتہ اخذ کیا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ نبی اکرم نے جب بھی احرف کی تقیید یا تحدید کا قصد کیا ہے تو صرف "عَلَیٰ" کے حرف کا انتخاب کیا اور کسی دوسرے حرف کو کسی بھی مقام پر استعمال نہیں کیا عین ممکن ہے کہ اس حرف کے ہی خاص استعمال سے آپ شرط کا مفہوم واضح کرنے کا قصد رکھتے ہوں۔ سو مفہوم شرط کو محذوف سمجھنے کی صورت میں عبارت یوں ہوگی کہ

"اَنْ تَقْرَأَ اُمَّتُکَ الْقُرْآنَ بِاَحْرُفٍ مُّتَعَدِّدَۃٍ عَلَىٰ اَلَّا تَتَجَاوَزَ سَبْعَۃَ اَحْرُفٍ"

یہ نکتہ بڑا ہی لطیف اور دقیق ہے کیونکہ پیچھے ذکر کئے گئے صریح قرائن و آثار بھی اس کی ہی تصدیق کرتے ہیں[29]۔ ہمارا یہ قول کہ: (یہاں سبعہ سے عدد مراد ہے) کا مطلب دراصل یہ ہے کہ "کسی بھی لفظ کو مختلف وجوہ سے پڑھنے کی زیادہ سے زیادہ تعداد سات ہوسکتی ہیں اس سے زیادہ نہیں"

ائمہ فن میں سے اس قول کو ابو عبید' ابو الفضل رازی' ابن قتیبہ اور ابو حاتم السجستانی نے اختیار کیا ہے اسی طرح محدثین' قراء اور اُصولیوں کی ایک بڑی تعداد بھی اس کی قائل ہے۔ اس قول کی مخالفت میں سوائے اُس رائے کے جو ابن جریر کی کلام سے سمجھی جاسکتی ہے کوئی اور رائے موجود نہیں۔ چنانچہ ابنِ جریر کی اس ضمن میں رائے اور اس کی تردید' اسی طرح قاضی عیاض کی رائے کا ابطال بھی گذشتہ اوراق میں گذر چکا ہے۔

جس شخص کو قرآن کریم کی قراءات سے کچھ تعلق اور لگاؤ ہے اور وہ اس کی تحقیق کا خواہاں رہتا ہے اس سے یہ بات مخفی نہیں کہ قرآن کریم قراءت اور روایت کے اعتبار سے دو اقسام پر منقسم ہے۔

مواضع اتفاق: قرآنِ کریم کے ایسے مقامات جہاں فقط ایک ہی وجہ پڑھی جاسکتی ہو اور ان میں کسی دوسری صورت کے پڑھنے کی کوئی روایت موجود نہیں۔ قرآن کے اکثر اور اہم حصہ کی یہی صورت ہے۔

---

(۲۹) انظر فتح الباری: (۹/۲۸)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مواضعِ اختلاف: ایسے مقاماتِ قرآنی جہاں دو یا اس سے زائد وجوہ پر (زیادہ سے زیادہ سات پر) قراءت کرنا جائز ہو۔

ان وجوہِ مقروءۃ کے شمار اور تعیین سے قبل لازم ہے کہ چند چیزیں آپ پر واضح ہوں:

(1) قرآءات کے ضمن میں ایسا نہیں ہے کہ ہر وہ روایت جو کسی نے بیان کی یا کسی جگہ لکھی ہوئی مل گئی یا پھر سندِ صحیح سے کوئی روایت ثابت ہوگئی تو اس کو قراءات میں شامل کرلیا جائے گا۔ بلکہ علماءِ اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ قرآنِ کریم کی کسی قراءت کے ثبوت کے لئے اولین شرط یہ ہے کہ وہ متواتر ذریعے سے ثابت ہو۔ اس شرط کے ماسوا کسی قراءت کو قرآن میں شامل کرلینے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ جب تک کسی بھی روایت میں تواتر نہ پایا جائے وہ قرآن ہرگز نہیں بن سکتی۔

اس شرط کے بعد علماء کی اکثریت اس امر پر بھی متفق ہے کہ وہ متواتر ذریعے سے ثابت ہونے والی قراءت' مصاحفِ عثمانی کے رسم کے مطابق بھی ہو۔ تاکہ نبی اکرم پر آخری دور میں جو قرآءات منسوخ ہوئیں ان سے بھی قرآن کو محفوظ رکھا جاسکے اور اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ فقط وہی قرآءات پڑھنی جائز ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری حیاتِ طیبہ میں ثابت فرمادیں۔

ان دو شروط کے بعد آپ دیکھیں گے کہ کس قدر قرآءات ایسی بچ جاتی ہیں جو ان شرط پر پوری اترتی ہیں۔ بلکہ جملہ قرآءات کو تواتر کی شرط پر پورا کرتے ہوئے آپ کو معلوم ہوگا کہ ان قراءات کا دسویں سے بھی کم حصہ باقی رہ جاتا ہے' حالانکہ کتب میں قرآءات کی تعداد کافی زیادہ ہے۔ مثال کے طور پر آیت "ملک یوم الدین" میں ابوحیان نے قراءت کی ۱۵ وجوہ[30] ذکر کی ہیں اور "وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ" میں ابوحیان نے لفظ "عَبَدَ" میں ۲۲ قراءات[31]' ابنِ خالویہ نے ۱۹[32] اور ابنِ جنی نے ۱۰ قراءات[33] ذکر کی ہیں۔ اسی طرح ﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ﴾ میں لفظ "اُفٍّ" میں ابوحیان نے ۴۰ لغات[34]' ابنِ خالویہ نے ۱۱ وجوہ[35] اور ابنِ جنی نے ۸ وجوہ[36] کو ذکر کیا ہے۔

---

(۳۰) البحر المحیط: (۱/۲۰)

(۳۱) نفس المصدر: (۳/۵۱۹)

(۳۲) مختصر فی شواذ القرآن: (ص ۳۳)

(۳۳) المحتسب: (۱/۲۱۴)

(۳۴) البحر المحیط: (۶/۲۳)

(۳۵) شواذ القرآن: (ص ۷۶)

(۳۶) المحتسب: (۲/۱۸)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ ان تین آیات میں اسانید کی چھان پھٹک اور شروط کو پورا کرتے ہوئے یہ معلوم ہو گا کہ :

۞ (مٰلکِ) کے لفظ میں متواتر قراء تیں دو ہیں ایک تو مَالِکِ یعنی "میم" کے بعد الف کے ساتھ - یہ عاصم 'کسائی' یعقوب اور خلف کی قراءت ہے اور دوسری قراءت مَلِکِ الف کے بغیر ہے - یہ قراءت نافع 'ابو عمرو' ابن کثیر 'ابن عامر' حمزہ اور ابو جعفر کی ہے -

۞ (عبد الطاغوت) میں بھی متواتر وجوہ صرف دو ہی ہیں - ایک تو "عَبُدَ الطَّاغُوْتِ" یعنی عین اور دال پر فتحہ 'باء پر ضمہ اور طاغوت کی ت پر کسرہ - یہ حمزہ کی قراءت ہے اور دوسری قراءت ہے عَبَدَ الطَّاغُوْتَ... یعنی عین 'با اور دال کے فتحہ کے ساتھ ' طاغوت (کو مفعول بناتے ہوئے) تَ پر نصب - یہ قراءت ہے باقی دس ائمہ کی ہے[37]

۞ (اُفٍّ) لفظ قرآن میں تین مقامات پر آیا ہے - سورۃ اسراء 'انبیاء اور احقاف میں - اس میں تین وجوہ قراءت جائز ہیں - پہلی وجہ ہے "اُفٍّ" میں ف پر شد اور دو زیروں کے ساتھ ' یہ نافع کی روایت ہے ' حفص کی عاصم سے روایت ہے اور ابو جعفر کی بھی یہی روایت ہے - دوسری وجہ فاء پر فتحہ بغیر تشدید کے - یہ ابنِ کثیر 'ابنِ عامر اور یعقوب کی قراءت ہے - جبکہ اس میں تیسری وجہ فاء کے کسرہ سے بغیر تنوین کے ہے - اور یہ باقی دس کی قراءت ہے -

سو اس راستے کو اختیار کرنے پر آپ کو بخوبی معلوم ہو سکے گا کہ قران میں اختلافِ قراءات والے مقامات میں بھی سات سے زیادہ وجوہ کبھی ممکن نہیں -

اس بحث کے بعد ہم سیوطی کے اس قول کے بارے میں اپنا نقطہ نظر پیش کرتے ہیں جن میں انہوں نے کہا کہ "اس اصول پر اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن میں بعض کلمات ایسے بھی ہیں جو سات سے زیادہ وجوہ پر تلاوت کئے جاسکتے ہیں" (دیکھیں صفحہ :۱۷۱) اس قول کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ قول تحقیق سے بعید ہے اور حقیقت سے اس کا کوئی واسطہ نہیں -

حیرانگی والی بات یہ ہے کہ قولِ رابع پر تعاقب سے صرف دو 'تین سطر پہلے سیوطی نے قولِ ثالث پر جن الفاظ کے ساتھ تعاقب کیا ہے 'انکے یہ دونوں تعاقب بھی باہم متضاد ہیں - تیسرا قول یہ ہے کہ سبعہ حروف سے مراد سبعہ قراءات ہیں - اس پر سیوطی کا تعاقب یہ ہے کہ قرآن کریم میں کوئی بھی ایسا کلمہ نہیں (سوائے چند ایک کلمات کے) جو سات وجوہ پر پڑھا جاسکتا ہو - اور وہ چند کلمات بھی انتہائی کم ہیں - بطور مثال ﴿ عَبَدَ الطَّٰغُوْتَ ﴾ اور ﴿ فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ ﴾

(۳۷) راجع فی ذلک اتحاف فضلاء البشر : للدمیاطی البناء

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے کلمات ایسے ہیں جن میں سات وجوہ جائز ہیں۔ للہذا سیوطی کا تیسرے قول پر تعاقب اور چوتھے قول پر تعاقب دونوں باہم متناقض ہیں کہ ایک جگہ وہ ایسے کلمات کا وجود بتا رہے ہیں جن میں سات سے زیادہ وجوہ بھی ممکن ہیں جبکہ اس سے چند سطریں قبل سات حروف والے کلمات کی تعداد بھی بہت محدود کہہ رہے ہیں۔

(2) کوئی شخص پھر بھی ہمارے قول پر سیوطی کے ان اقوال سے یہ اعتراض کر سکتا ہے۔ چنانچہ جواب میں ہم کہتے ہیں کہ: سب سے پہلے تو قرآن میں ایسا کلمہ ہی کوئی نہیں جس کو سات وجوہ پر پڑھا گیا ہو۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ سبعہ حروف میں سے ایک اہم تعداد کو نبی اکرم پر عرضۂ اخیرہ میں منسوخ کردیا گیا تھا اور اس کے بعد نبی اکرم نے جبریل پر دو مرتبہ قرآن کی تلاوت کر کے بذریعہ نص قرآن کی آخری قرآءات کو ثابت کردیا اور آیات کی ترتیب، مکّی اور مُنزل وجوہ کی حتمی تعیین کردی۔ چنانچہ اس میں کوئی بھی ایسا حرف باقی نہیں رہا جو مواضعِ اختلاف میں چھ وجوہ سے زیادہ پر تلاوت ہو سکے۔ للہذا اب قرآن میں کوئی بھی کلمہ ایسا نہیں ہے جس میں چھ سے زیادہ متواتر وجوہ کی تلاوت جائز ہو۔ سوائے ان متواتر روایات کے ذریعے ثابت ہونے والی وجوہ کے جو قراءِ اربعہ نے روایت کی ہیں اور جنہیں "اتحاف فضلاء البشر" میں "البناؒ" نے ذکر کیا ہے۔ ان روایات کی اسانید اگرچہ حدِ تواتر کو نہیں پہنچتیں اور علماء ان پر شاذ قراءات کا حکم لگانے میں متفق ہیں تاہم یہ قرآءات صحیح الاسناد ہیں اور اہل فن کے ہاں معلوم طُرق سے مروی ہیں ان قرآءات کو شامل کرکے ہم مروی وجوہ کی تعداد کسی بھی حرف میں سات تک کرسکتے ہیں لیکن ان کے شامل ہونے کے بعد بھی کوئی ایسا کلمہ نہیں جس میں پھر بھی سات سے زیادہ وجوہ ممکن ہوں۔ مثال کے طور پر سورۃ البقرہ[۳۸] میں جبریل اور میکائل کے کلمات ہیں۔

جبریل میں ۵ متواتر وجوہ پر قراءت صحیح ہے:

(۱) ج اور راء کے کسرہ کے ساتھ۔ ہمزہ کو حذف کرنے اور یاء کو باقی رکھنے کی صورت میں! یہ نافع، ابو عمرو، ابن عامر اور حفص کی عاصم سے روایت ہے۔ جِبْرِيْلَ

(۲) ج کے فتحہ اور راء کے کسرہ کے ساتھ، یاء کو باقی رکھتے ہوئے ہمزہ کے حذف کی صورت میں ابنِ کثیر مکی کی یہ روایت ہے۔ جَبْرِيْلَ

(۳) جیم اور راء کے فتحہ کے ساتھ، ہمزہ مکسورہ کے اثبات اور یائے ساکنہ کے ساتھ یہ حمزہ، کسائی اور خلف کی مختار قراءت ہے۔ جَبْرَئِيْلَ

---

(۳۸) الآیۃ: رقم ۹۸

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۴) تیسری صورت لیکن ہمزہ مکسورہ کے بعد یاء کے حذف کے ساتھ یہ قراءت ہے یحیٰ بن آدم کی ابی بکر بن عیاش عن عاصم کے طریق سے۔ جَبْرَئِلَ

(۵) پانچویں قراءت حمزہ کی ہے جس میں وقف کے ساتھ ساتھ ہمزہ کی "تسہیل بَین بَین" ہے۔

یہاں دو وجوہ ایسی اور بھی ہیں جن پر قراءت نہیں کی جاسکتی: پہلی وجہ کو حسن بصری نے روایت کیا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ یاء کے حذف اور ہمزہ مکسور سے قبل الف کے اثبات یعنی "جَبْرَائِلَ" ! دوسری صورت "ابنِ محیصن" کی "مبہّج" سے مروی ہے جو کہ جیم وراء کے فتحہ، ہمزہ مکسورہ اور لام مشدد کے ساتھ ہے۔ یعنی جَبْرَئِلَّ

یہ جملہ وجوہ ملا کر سات ہوئیں۔ جن میں صرف ۵ وجوہ متواتر ہیں۔

اسی طرح "مِیْکٰلَ" میں ۴ وجوہ متواتر ہیں: مِیکَائِلَ.. یعنی الف کے بعد ہمزہ ہو لیکن ہمزہ کے بعد "ی" موجود نہ ہو دوسری وجہ یہ ہے کہ مِیکَالَ کو بروزن مِثْقَالَ کے مِیکَالَ پڑھا جائے۔ تیسری وجہ ہمزہ اور یاء دونوں کے اثبات کے ساتھ یعنی مِیکَائِیلَ اور اس کی چوتھی وجہ حمزہ کے نزدیک وقف کی حالت میں ہمزہ کو تسہیل سے پڑھنا ہے۔

یہاں ابنِ محیصن کے لئے ایک وجہ اور بھی ہے جو کہ پڑھی نہیں جاتی اور وہ ہے کہ میکائیل کو ہمزہ کے ساتھ یاء کے بغیر اور لام کی تشدید سے یعنی مِیکَئِلَّ پڑھا جائے اور یہ مبہج کے طریق سے ابنِ محیصن سے مروی ہے۔

(3) تیسری بات یہ ہے کہ ہم نے سبعہ احرف یا سبعہ وجوہ کو ایک کلمہ کے ساتھ خاص اور مقید کردیا ہے یعنی سات وجوہ کے ہونے کو کسی کلمۂ واحدہ کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں کسی بھی کلمہ واحدہ میں زیادہ سے زیادہ سات وجوہ ہو سکتی ہے لیکن چند ایک کلمات کو ملا لینے سے وجوہ کی تعداد کافی زیادہ ہو سکتی ہے۔ چنانچہ سبعہ وجوہ کے ساتھ کلمۂ واحد کی شرط سے دراصل اُن بے شمار طُرق سے اِن وجوہ کو ممتاز کرنا مقصود ہے جنہیں مختلف کلمات کے جوڑنے کے بعد قراء ثابت کرتے ہیں۔ آپ بھی جب متعدد کلمات کو جوڑ کر وجوہِ قراءات کا اندازہ کریں گے تو وجوہ کے باہم ضرب کھانے سے یہ بھی ممکن ہے کہ وجوہ کی تعداد ایک جملہ یا عبارت میں ۱۰۰ تک بھی جا پہنچے۔

چنانچہ اس حسابی جدول اور ضرب کے عمل کے نتیجے میں قراء کرام سورۃ الفاتحہ کو سورۃ البقرہ سے ملانے کی صورت میں ۱۷ وجوہ بتاتے ہیں۔ اسی طرح کسی بھی صورت کے خاتمے پر عموماً وجوہ کی یہ تعداد بہت بڑھ جاتی ہے لیکن خیال رہے کہ وجوہ میں یہ طریقہ سلف کے راستے سے ہٹ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر ہے بلکہ ایسا کرنا ایک بدعت ہے اور اس کی ابتداء پانچویں صدی ہجری کے بعد ہوئی ہے۔ پانچویں صدی ہجری سے قبل کوئی اس طرح وجوہ کے جدولِ حسابی اور ضرب وغیرہ سے واقف نہ تھا۔ لہٰذا اس طریقہ کو محققین اختیار نہیں کرتے اور انہوں نے اس کو مستحسن نہیں گردانا سوائے اس کے کہ تعلیم مقصود ہو کیونکہ قراءات کی تعلیم کے دوران ان کی مشق اور اجراء کے لئے یہ طریقہ از حد مفید ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ متعلم دورانِ حفظ کسی سورت کے ختم ہو جانے کی حالت میں ایک ایک کر کے ان قراءات کے اجراء کو مکمل نہیں کر سکتا بلکہ مختصر وقت کے پیش نظر اس کو جملہ وجوہ و روایات کو جمع کر کے پڑھنا ہوتا ہے۔

اس تمام بحث کی وضاحت کے لئے جس سے یہ بحث جلد ذہن نشین ہو جائے' ہم درج ذیل مثال سے اسی معاملہ کو واضح کرتے ہیں' جس طرح ﴿ الرحمٰن الرحیم ملک یوم الدین ﴾ ہے۔ اس عبارت میں الرحیم کی یاء کے لئے بحالتِ وقف مد سے تین وجوہ پڑھی جاسکتی ہیں یعنی یا تو یہاں قصر ہو یا توسط' یا پھر اشباع ا

اس کے بعد الرحیم کی میم اور ملک کی میم کے مابین دو صورتیں بحالتِ وصل ہیں۔ ادغام کے ساتھ یا پھر عدمِ ادغام سے' نیز ہر دو حالتوں میں یہ بھی ملحوظ رہے کہ ملک میں بھی دو طریقے (یعنی الف کے ساتھ یا بغیر الف کے) جائز ہیں۔

چنانچہ اب جب آپ ان سب وجوہ کو (صرف انہیں وجوہ کا اہتمام کرتے ہوئے جن کو ہم نے ذکر کیا ہے) جمع کریں تو سات وجوہ بنتی ہیں۔

لیکن یہ سات وجوہ ایک کلمہ میں نہیں۔ بلکہ دو کلمات کو ملانے کی صورت میں ہیں۔ کیونکہ کلمہ "رحیم" کی اپنی وجوہ تو صرف تین یعنی بصورتِ مدعارض ہیں جبکہ "مٰلِکِ" کی ذاتی وجوہ صرف دو (الف اور بغیر الف کے) ہیں۔ اور دونوں کلموں کو ملانے پر دو وجہیں مزید ہیں۔ چنانچہ کسی کلمہ کی وجوہ کو گنتے ہوئے (کہ آیا وہ سات سے زیادہ ہیں یا کم؟) دوسرے کلمہ کے ساتھ ملنے کے وجہ سے پیدا ہونیوالی وجوہ کو ساتھ نہیں شامل کیا جائے گا بصورتِ دیگر آپ قراء کے حسابی جدولوں (جو کہ طلسم افلاک کے مشابہ ہے) میں واقع ہو جائیں گے۔

اسی طرح ﴿ فَتَلَقّٰى آدَمُ مِنْ رَبِّهٖ كَلِمٰتٍ ﴾ کی مثال ہے۔ اس مقام پر فرش (۴۰) میں سے "آدم" کے لفظ پر نصب اور "کَلِمٰتٍ" پر رفع ہے۔ یہ ابن کثیر مکی کی قراءت ہے جبکہ دوسروں نے اس کے برعکس پڑھا ہے۔ سو اس مقام پر دو وجوہ تو یہ ہوئیں۔ پھر "فَتَلَقّٰى" کے الف میں تین وجوہ (فتح' امالہ اور تقلیل) پڑھی جاتی ہیں' علاوہ ازیں "آدم" کے لفظ میں الف میں بھی تین وجوہ یعنی طول' توسط اور قصر ہیں۔ چنانچہ اس جملہ کی مجموعی وجوہ ۱۰ ہوئیں۔ لیکن وجوہ کو

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یوں جمع کرنا صحیح نہیں، نہ ہی قراء اس کی اجازت دیں گے بلکہ اگر ان کے حساب اور طریقے پر چلا جائے اور ہر کلمہ کی وجوہ کو باہم ضرب دیں تو آپ کے سامنے وجوہ کی ایک بڑی تعداد آجائے گی جس کے بعد آپ نبی اکرم کے اس فرمان کہ "میری امت پر آسانی فرمائیے"[41] کو بھولنا چاہیں گے۔

الغرض ایک جملہ میں وجوہ کی تعداد اَن گنت ہو سکتی ہے یعنی غیر محدود ہے لیکن ایک ہی کلمہ میں انفرادی طور پر وجوہ کی تعداد سات سے ہرگز بڑھ نہیں سکتی بلکہ واقعۃً تو چھ سے زیادہ نہیں ہے۔ جیسا کہ تفصیل گزر چکی۔

اس کی ایک اور مثال لیں: ﴿وَسَارِعُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ اس جملہ میں وَسَارِعُوْا کی واؤ میں دو وجوہ متواترہ ہیں ایک تو واؤ کے ساتھ اور دوسری واؤ کے حذف کی صورت میں۔ نافع، ابن عامر اور ابو جعفر نے بغیر واؤ کے سَارِعُوْا پڑھا ہے۔ جبکہ باقی دس قراء نے واؤ کے ساتھ پڑھا ہے۔ دوسرے کلمہ یعنی سَارِعُوْا میں بھی دو وجوہ ہیں ایک تو امالہ جو کہ کسائی سے منقول ہے اور دوسرا عدمِ امالہ کے ساتھ تلاوت کرنا۔ مزید برآں سارعوا کو آگے ملانے کی صورت میں بھی مدِ منفصل (ایسی مد کو کہتے ہیں جس میں سببِ مد اور حرفِ مد ایک کلمہ میں نہ ہوں) ہے اور مد منفصل میں بھی دو وجہیں ہیں ایک تو قصر اور دوسری طول۔ قصر کی مقدار ایک الف کے برابر ہے ایک الف کا اندازہ کسی اُنگلی کو دو بار کھولنے اور بند کرنے سے لگایا جاتا ہے۔ یعنی گھڑی کے تقریباً دو سیکنڈ اس کی مدت ہے۔ مد کے مراتب میں بھی قراء میں اختلاف ہے کہ قصر، توسط اور اشباع کی مدت کتنی ہے؟ لیکن بہر حال یہ مراتب وجوہ میں داخل نہیں کیونکہ ہر قاری کی اَدا کے مطابق اس کا اندازہ ہے۔ چنانچہ مد (چاہے کسی مرتبہ سے ہو) کو ایک ہی وجہ شمار کیا جائے گا اور اس کے مقابل قصر ہے۔ الغرض ﴿وَسَارِعُوْا﴾ کے لئے کل چھ وجوہ ہوئیں لیکن ہر دو وجوہ دوسری دو وجوہ سے

---

(۳۹) قارن بما فی غیث النفع: (ص ۲۸)

"فرش" قراء کی اصطلاح میں قراءات میں ہونے والی ایسی تبدیلی کو کہتے ہیں جو اکثر تبدیلیوں کے لئے قراء کے وضع کئے ہوئے اصول وضوابط قراءات کے تحت نہیں آسکی۔ یعنی قراء نے متعدد بار واقع ہونے والی تبدیلیوں کے لئے استقراء کے بعد کچھ مخصوص قواعد (مثلاً مد وقصر، تحقیق وتسہیل وابدال اور فتح وامالہ وغیرہ) وضع کئے ہیں تاکہ ان قواعد کے ذریعے قراءات کا احاطہ کیا جاسکے لیکن جو تبدیلی کسی ایسے ضابطے کے تحت نہ آسکے اور فرداً فرداً اس کو یاد کیا جائے، اسے فرش کہا جاتا ہے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علیحدہ ہیں اور دوسرے کلمہ میں ہیں اور ان کو آپس میں اکٹھا کر کے شمار نہیں کیا جائے گا' بلکہ اکیلے کلمہ سارعوا میں صرف دو وجوہ ہیں باقی تو ساتھ ملانے کی صورت میں ہیں۔

﴿ آلْئٰنَ ﴾ سورۂ یونس میں دو مقام پر آیا ہے اور دوسرے ہمزہ میں تین وجوہ پڑھی گئی ہیں (تسہیل بین بین اور الف سے بدل کہ مد و قصر' دوسری وجہ ہے ہمزہ کی حرکت لام کو نقل کرنا اور تیسری وجہ سکتہ یا بغیر سکتہ کے پڑھنا)۔

چنانچہ دوسرے ہمزہ میں جو کہ ہمزہ وصل ہے کل تین وجوہ ہوئیں لیکن قراء ہر وجہ میں مد کی وجوہ کا بھی اضافہ کرتے ہیں چاہے وہ مد عارض وقفی ہو جو بحالت وقف ہوتی ہے یا مد بدل! نتیجۃً اس کلمہ میں دسیوں مرکب وجوہ بن جاتی ہیں۔ (۴۲)

---

(۴۱) انظر غیث النفع: (ص ۴۷)

(۴۲) قارن بالبدور الزاھرہ: (ص ۱۴۴)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ